مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین
ماہنامہ
الامداد
نمبر 187
ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
اپریل 2010ء
خیر الاثاث للاناث
(عورتوں کے لئے بہترین سرمایہ)
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ 291۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور
فون 5422213,5422206 فیکس 042-5433049

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول: (مولانا) مشرف علی تھانوی

مدیر: ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

شمارہ ۴	ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ / اپریل ۲۰۱۰ء	جلد ۱۱

خیر الاثاث للاناث

(عورتوں کے لئے بہترین سرمایہ)

(از افادات)

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا **محمد اشرف علی تھانوی** قدس سرہٗ

عنوانات وحواشی۔ ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ = ۱۰ روپے — زر سالانہ = ۱۰۰ روپے

ناشر (مولانا) مشرف علی تھانوی

مطبع ہاشم اینڈ حماد پریس

مقام اشاعت

جامعۃ العلوم الاسلامیہ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

۵۴۲۲۲۱۳ — ۵۴۳۳۰۲۹

جامعۃ العلوم الاسلامیہ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

خیر الاثاث للاناث

(عورتوں کے لئے بہترین سرمایہ)

وعظ

خیر الاثاث للاناث

(عورتوں کے لئے بہترین سرمایہ)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ وعظ ۶/ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ بمقام مطبع قیومی کانپور میں دو گھنٹے تک ارشاد فرمایا۔
سامعین میں مستورات کا مجمع زیادہ تھا کچھ مرد بھی شریک تھے۔
حکیم محمد یوسف صاحب نے اسے قلمبند فرمایا۔

خلیل احمد تھانوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

خطبۂ ماثورہ

الحمد لله نحمدهٗ و نستعينهٗ ونستغفرهٗ و نؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد انّ سيدنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله واصحابه و بارك وسلم اما بعد:

فاعوذ بالله من الشيطٰن الرّجيم

بسم الله الرّحمٰن الرّحيم

﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا﴾ [1]

پہلی آیت میں کفار کا تفاخر ساز و سامان اور اہل و اعوان مذکور ہے [2] جو حاصل ہے مال و جاہ کا اور دوسری آیت میں ان سے زیادہ سامان و نمود والوں کا مبغوض اور عذاب سے ہلاک کیا جانا مذکور ہے [3] جو حاصل ہے مال و جاہ کے قابل تفاخر نہ ہونے کا [4]۔

---

(۱) "اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو یہ کافر لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ دونوں فریقوں میں مکان کس کا زیادہ اچھا ہے اور محفل کس کی اچھی ہے اور ہم نے ان سے پہلے بہت سے ایسے گروہ ہلاک کیے ہیں جو سامان اور نمود میں ان سے بھی اچھے تھے" سورۂ مریم ۷۳ (۲) پہلی آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ کفار ساز و سامان اور بچوں پر اور اپنی کثرت پر فخر کرتے تھے (۳) دوسری آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ جو ان سے زیادہ سامان رکھتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے، ان پر اللہ کا غضب ہوا اور وہ عذاب سے ہلاک ہوئے (۴) مال و اقتدار فخر کرنے کے لائق نہیں۔

قابلِ توجہ بات

سب سے پہلے قابل عرض بات یہ ہے کہ گو اس جلسہ میں مرد بھی شریک ہیں مگر زیادہ مقصود مستورات کو سنانا ہے اس لئے مردوں کے مذاق کی زیادہ رعایت نہ کی جائے گی گو فائدہ دونوں میں مشترک ہے مگر اسوقت اس پر نظر نہیں کہ نفع معتد بہ مردوں کو ہو، نہ اس کے دلچسپ ہونے پر نظر ہے بلکہ عورتوں کا افادہ اصل مدِ نظر ہے (۱) تاکہ عورتیں جن کو وعظ سننے کا موقع بہت کم ملتا ہے محروم نہ رہ جائیں۔

تشخیص امراض کی اہمیت

اس وقت وعظ میں مضامین متعدد ہوں گے مگر ہوں گے سہل (۲) ارادہ تو یہی ہے آگے اللہ تعالیٰ کو جو بھی منظور ہو۔ عورتوں میں جو امراض پائے جاتے ہیں اس وقت انکا بیان اور ان کا معالجہ بتلانے کا قصد ہے (۳) اور تلاوت کی ہوئی آیات میں ایسے ہی امراض کا ذکر ہے جیسا آیات کے حاصل سے معلوم ہوگیا ہوگا کیونکہ جب تک مرض نہ معلوم ہو اسکا علاج کیسے کیا جائے اس لئے ضروری ہے کہ اول ان امراض کو ظاہر کیا جائے تاکہ مرض معلوم ہونے پر اس کے علاج کی طرف توجہ ہو۔ زیادہ تر افسوس تو یہی ہے کہ ہم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ہمارے اندر کچھ امراض بھی ہیں یہی وجہ ہے کہ علاج کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور جن کو امراض کا کچھ احساس بھی ہے ان کی بھی یہ حالت ہے کہ آثار کو تو دیکھتے ہیں مگر ان کے اسباب کو نہیں دیکھتے کہ اس کا سبب کیا ہے اور یہ فعل کیوں پیدا ہوا۔

(۱) عورتوں کا فائدہ پیش نظر ہے (۲) آسان (۳) ان کا علاج بتانے کا ارادہ ہے۔

اسبابِ امراض

پس خوب سمجھ لیجئے کہ ہر فعل کسی خاص صفت سے پیدا ہوتا ہے، اور وہ صفت سبب ہوتی ہے اس فعل کا، تو پہلے اس صفت کا علاج کرنا چاہیئے اس کے بعد وہ فعل خود بخود جاتا رہیگا جن کی فہم کوتاہ ہے (۱) وہ صرف اثر کو دیکھتے ہیں اور اس کے علاج کی طرف متوجہ بھی ہوتے ہیں مگر ان کو یہ خبر نہیں کہ ان کا یہ فعل کونسی صفت سے پیدا ہوا اسی لئے علاج سے فائدہ معتد بہ نہیں ہوتا (۲)۔ پس اس وقت بھی مقصود یہ ہے کہ ہمارے اندر جو صفاتِ مذمومہ ہیں (۳) ان کو معلوم کیا جائے پھر ان کا علاج کیا جائے جس سے اصلاح افعال کی ہو اور مراد صفت سے فطرت کا درجہ نہیں وہ تو محل علاج نہیں بلکہ درجہ خلق یعنی عمل باطنی کا ہے۔

عورتوں اور مردوں میں دو امراض

سو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر لوگوں میں دو مرض بکثرت پائے جاتے ہیں ایک حب مال دوسرے حب جاہ، گو دونوں کا رنگ مردوں اور عورتوں میں مختلف ہے یعنی مردوں میں حب مال اور حب جاہ کا اور رنگ ہے اور عورتوں میں دوسرا رنگ ہے مگر دونوں میں یہی دو مرض زیادہ ہیں۔ مردوں میں حب جاہ (۴) اس رنگ سے ہے کہ اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں۔ عورتیں اپنے کو بڑا تو نہیں سمجھتیں مگر اپنے کو بڑا ظاہر کرنا چاہتی ہیں ایسی باتیں اور ایسے طریقے اختیار کرتی ہیں کہ جن سے انکا بڑا ہونا دوسرے پر ظاہر ہو۔ اسی طرح

(۱) جو کم عقل ہیں (۲) زیادہ فائدہ نہیں ہوتا (۳) بُری عادات ہیں (۴) اقتدار کی محبت

حب مال[۱] کے رنگ بھی دونوں میں مختلف ہیں۔ مردوں کو زیادہ روپے سے محبت ہے اور کسی چیز سے اتنی نہیں اسی واسطے اس کے جوڑنے اور جمع کرنے کی درپے رہتے ہیں اور عورتوں کو زیور اور کپڑے اور برتن وغیرہ خانگی سامان سے زیادہ محبت ہوتی ہے کہ رنگ برنگ کے کپڑے ہوں، قسم قسم کے برتن ہوں مختلف قسم کے زیور ہوں علیٰ ہذا۔[۲]

حُبِ مال میں مردوں اور عورتوں میں فرق

مگر اس بارے میں مردوں کی سمجھ عورتوں سے اچھی ہے کیونکہ روپیہ تو ایسی چیز ہے جس سے ہر چیز حاصل ہوسکتی ہے جس کے پاس روپیہ ہے اس کے پاس سب کچھ ہے کیونکہ وہ ہر چیز کا بدل ہوسکتا ہے اور ہر چیز اس سے حاصل ہوسکتی ہے بخلاف کپڑے اور برتن وغیرہ کے وہ ہر چیز کا بدل نہیں ہوسکتے اور ہر چیز اس سے حاصل نہیں ہوسکتی اس پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ مرد بکثرت جائیدادیں خریدتے ہیں کہیں مواضعات کہیں مکانات مول لیتے ہیں[۳] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بھی سامان سے محبت ہے روپے سے نہیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ وہاں بھی سامان سے محبت نہیں بلکہ روپیہ ہی سے محبت ورغبت ہے جائیداد کے لینے میں بھی روپیہ پھنسانے کی ایک صورت کرلی ہے پس مردوں کو جو جائیداد سے محبت ہے وہاں بھی اس غیر منقول سے منقول ہی مقصود ہے[۴] جائیداد سے آمدنی ہوتی رہے گی اور سرمایہ محفوظ رہے گا پس وہاں بھی مقصود روپیہ ہی ہے اور عورتوں میں یہ رنگ نہیں وہ تو ساز و سامان پر فریفتہ ہیں[۵] ہر وقت چیزوں کے جمع کرنے کی ان کو حرص رہتی ہے۔

---

(۱) مال کی محبت (۲) اسی طرح زیدانواع و اقسام (۳) زرعی زمین اور مکانات وغیرہ خریدتے ہیں (۴) زمین سے بھی مقصود پیسہ ہی ہے (۵) عاشق ہیں۔

روپے کی ناقدری کی وجہ

یہی وجہ ہے کہ روپے کو بے طور اڑاتی ہیں[۱] اول تو اس وجہ سے کہ انکو اس بات پر نظر نہیں کہ روپے سے ہر چیز حاصل ہوسکتی ہے۔ دوسرے روپیہ ان کا کمایا ہوا نہیں جس سے دل دکھے اس لئے بے دریغ خرچ کرتی ہیں مثل مشہور ہے کہ کسی نے ایک شخص کو دیکھا کہ دوشالہ[۲] سے اپنا اوہوڑی[۳] کا جوتا صاف کررہا ہے یہ اس کو ملامت کرنے لگا تو اس نے کہا بات یہ ہے کہ جوتا تو میری کمائی کا ہے اور دوشالہ ہے ابا جان کی کمائی کا، یہ طبعی تفاوت ہے اپنے مکسوب اور غیر کے مکسوب میں[۴] کہ اپنی کمائی دل کو لگتی ہے اور دوسرے کی کمائی دل کو نہیں لگتی۔

عورتوں کا شوقِ خریداری

خیر جو کچھ بھی وجہ ہو ان کو روپیہ کی قدر نہیں ان کو زیادہ شوق چیزوں کا ہے حتی کہ فضولیات تک ان کی نظر پہنچتی ہے بس ان کو تو یہ خبر ہونی چاہئے کہ فلاں چیز بک رہی ہے فوراً اس کے خریدنے کا اہتمام ہوتا ہے گویا پہلے ہی سے اس چیز کی منتظر تھیں یہاں تک حالت ہے کہ ایک رضائی بنائی کسی کپڑے کی اس کے بعد دوسرا کپڑا سامنے آگیا بس کوشش کریں گی کہ اس کو بھی خریدلیں۔ یہ واقعات میری آنکھوں کے دیکھے ہوئے ہیں اور اس کا بہانہ کیا ٹھہرایا ہے کہ یہ کپڑا اگلے سال کام آجاوے گا اور اگر کہا جائے کہ اگلے سال اور تیار ہوجاوے گی یا پہلی کو فروخت کرکے دوسری بنالو، تو کہتی ہیں کہ ایک تو آنے جانے کے لئے ہے اور ایک گھر کے لئے۔ غرض گھڑ گھڑا کر دوسری کی ضرورت کو ثابت کرتی ہیں۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ وہ

---

(۱) بُری طرح ضائع کرتی ہیں (۲) قیمتی چادر (۳) کچے چمڑے کا سستا سا جوتا (۴) اپنی کمائی سے خریدی ہوئی چیز اور دوسرے کے پیسے سے حاصل شدہ چیز میں یہ طبعی فرق ہے۔

کپڑا پسند آ گیا ہے اور کچھ نہیں حالانکہ شوہر سمجھاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے پاس گنجائش نہیں مگر وہاں اس کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ ان کو چیزوں سے ایسی محبت ہے کہ ہر شے کے لئے بیس ضرورتیں تراش لیں گی۔ برتن بکتا ہوا آ جائے خواہ اس کی کچھ بھی ضرورت نہ ہو بس خرید لیں گی۔

بلاضرورت سامان کی بہتات

چنانچہ گنجائش والے گھروں میں اتنا سامان موجود ہے کہ کبھی استعمال کی بھی نوبت نہیں آتی مگر عورتوں کو سامان کے خریدنے سے کسی وقت بھی انکار نہیں آدمی کو تو حقیقت میں تھوڑے ہی سامان کی ضرورت ہے اسی لئے کہتے ہیں ؎

حرص قانع نیست صائب ورنہ اسباب معاش
آنچہ ما در کار داریم اکثرے درکار نیست (۱)

یہ حالت ہے کہ بڑے بڑے فرش اور صندوق فضول رکھے ہوئے ہیں مگر ان کی خریداری بند نہیں ہوتی خصوصاً نازک اور تکلف کا سامان خریدنے کا آجکل بڑا ہی شوق ہے جو سوائے زینت و آرائش کے کسی کام کا نہیں اور پختہ ایسا ہے ماشاء اللہ کہ اگر ذرا ٹھیس لگ جاوے تو کسی کام کا نہیں، جیسے ایک شخص چوڑیوں کی گٹھڑی کمر پر رکھے ہوئے جا رہا تھا۔ راستے میں ایک گنوار ملا گنواروں کی عادت ہوتی ہے کہ لکڑی مار کر پوچھا کرتے ہیں، اس نے گٹھڑی میں لکڑی مار کر کہا کہ اس میں کیا چیز ہے؟ چوڑی والے نے کہا کہ ایک دفعہ اور مار دو تو کچھ بھی نہیں۔ بیچارے کی چوڑیاں ٹوٹ گئیں۔ یہی حال تکلف کے سامان کا ہے کہ ذرا سی بے احتیاطی میں

(۱) حرص مجھے قناعت اختیار نہیں کرنے دیتی اے صائب ورنہ جس سامان کو میں ضروری سمجھ کر جمع کرتا ہوں اکثر بیکار ہی ہوتا ہے۔

کسی کا بھی نہیں مگر مستورات کو دن رات اسی کا اہتمام ہے کہ گھر میں بہت چیزیں ہوں تکلف کا سامان ہو ہر وقت یہی دھن ہے۔

عورتوں میں حب مال کا انداز

خلاصہ یہ کہ ان کے اندر حب مال اس رنگ میں ہے کہ ان کے پاس کتنی ہی چیزیں ہوں مگر طالب مزید ہی کی رہتی ہیں ان کا پیٹ ہی نہیں بھرتا۔ ایک عورت نے خود مجھ سے کہا تھا کہ ہماری مثال تو جہنم کی سی ہے کہ اس سے کہا جائے گا ((هَلِ امْتَلَئْتِ)) کہ کیا تو بھر چکی؟ تو وہ کہے گی ((هَلْ مِنْ مَّزِيْد)) یعنی کچھ اور بھی ہے، اسی طرح ان کو صبر نہیں طالب مزید ہی کی رہتی ہیں جب کبھی ان سے پوچھو تو کہیں گی کہ ہمارے پاس کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔

عورتوں کی ناشکری

شکر کرنا تو کبھی جانتی ہی نہیں، مولوی عبدالرب صاحب واعظ ایک مضمون اپنے وعظ میں فرمایا کرتے تھے گو مضمون تو ہے شاعرانہ مگر ہے واقعی، چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ عورتوں کے پاس اگر کپڑوں کے صندوق بھی بھرے ہوں مگر ان سے جب پوچھو یہی کہیں گی کیا ہیں چار چیتھڑے (۱) سارا گھر برتنوں سے بھرا ہوا ہو مگر جب پوچھو یہی کہیں گی کیا ہیں چار ٹھیکرے (۲) جوتیوں کے کتنے ہی جوڑے ہوں مگر ہمیشہ یوں ہی کہیں گی کیا ہیں دو لیترے (۳) یہ مضمون ممکن ہے قافیہ کی ضرورت سے بنا ہو مگر واقعی سچا ہے۔ حاصل یہ کہ ان کو سامان سے کبھی صبر ہوتا ہی نہیں۔ مرد تو کپڑوں میں پیوند تک لگا لیتے ہیں مگر عورتیں ہیں کہ ان کو نئے

(۱) چار پھٹے پرانے کپڑے (۲) چار ٹوٹے پھوٹے برتن (۳) دو پھٹے پرانے جوتے۔

کپڑوں کے صندوق بھر کر بھی کفایت نہیں ہوتی، چاہتی ہیں کہ کپڑوں سے گھر بھر لیں۔ اگر سخت مجبوری ہو تو پیوند لگالیں گی مگر وسعت (۱) میں تو لگاتی ہی نہیں۔ بعض مرد بیچارے ہیں تو مزدور چار آٹھ آنہ کے مگر بیبیوں کو دیکھو تو بیگم بنی ہوئی ہیں مرد اپنے لئے پیوند لگے کپڑوں کو عیب نہیں سمجھتے مگر عورت غریب کی بھی ہوگی تو اپنے کو ایسی بنائے گی کہ گویا بنت الامیر اور زوجۃ الکبیر ہے (۲) اور یہ سب سازو سامان اور سجاوٹ شوہر کے لئے نہیں بلکہ دوسروں کو دکھانے کی غرض ہوتی ہے حالانکہ یہ محض کم فہمی کی بات ہے دکھانے سے ہوتا کیا ہے کیونکہ آپس میں خاندان والوں کو ایک دوسرے کا حال تو معلوم ہوتا ہی ہے اس کی حیثیت اتنی ہے اور اس کی اتنی۔ پھر دکھانے سے نتیجہ کیا؟ یہ مانا کہ عورتوں کے مناسب زینت ہے مگر اسمیں اعتدال تو ہو حد سے بڑھی ہوئی تو نہ ہو، ان میں حب مال کا یہ رنگ ہے اور مردوں میں بھی یہ مرض حب مال کا موجود ہے مگر رنگ کا اختلاف ہے۔

عورتوں میں حُبِ جاہ کا انداز

دوسرا مرض عورتوں میں حُب جاہ ہے، اور یہ مرض مردوں میں بھی ہے مگر دوسرے رنگ میں وہ بھی اپنے کو بڑا بناتے ہیں مگر رنگ اور ہوتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ اکثر مردوں میں اور کمالات بھی ہیں جیسے علم وغیرہ اس لئے ان کا حب جاہ اسی قدر نازیبا (۳) نہیں، اور عورتوں میں تو یہ بھی نہیں مگر پھر بھی ان میں حب جاہ (۴) ہے گو یہ اپنے کو بڑا نہیں سمجھتیں مگر یہ چاہتی ہیں کہ دوسرے انکو بڑا سمجھیں،

(۱) نئے کپڑے خریدنے کی گنجائش ہو تو پیوند نہیں لگائیں گی (۲) گویا کسی امیر کی بیٹی اور بڑے آدمی کی بیوی ہے (۳) اتنا نامناسب (۴) بڑا بننے کی خواہش۔

ان میں اس کی ساتھ تذلل اور تواضع (۱) کی بھی ایک شان ہوتی ہے یہاں تک کہ بعض بیبیاں پائتی بیٹھتی ہیں اور خادمہ سرہانے اور خود پان لگا کر بھنگن (۲) وغیرہ کو دے دیتی ہیں۔ ان بیچاریوں میں اس قسم کی تواضع بھی ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس کی کوشش کرتی ہیں کہ ہم سب سے بڑھی رہیں بیچاریوں میں کمالات تو ہیں نہیں مگر چاہتی ہیں کہ زیور اور سامان بہت سا ہو کہ دوسروں سے بڑھی رہیں چڑھی رہیں۔ جب کہیں جائیں گی تو خوب زیور لاد پھاند (۳) کر جائینگی۔ خواہ مانگا ہوا ہی زیور ہو، اور گو دوسروں کو معلوم بھی ہو کہ مانگ کر پہنا ہے۔ یہ اس لئے کہ ہم کو کوئی ہلکا نہ سمجھے۔ رات دن اسی کا اہتمام ہے یہی سبق ہے کہ چیک ہو، گوٹہ ہو، ٹھپہ ہو، (۴) لچکا ہو کپڑے کی تراش ایسی ہو جھالر بھی لگا ہوا ہو جہاں تک ان کے امکان میں ہے بناوٹ کا اہتمام کرتی ہیں۔ اس کے متعلق ان میں کمیٹی بھی ہوتی ہے جس میں بڑے بڑے معاملات اس کے متعلق طے ہوتے ہیں کہ بہن ذرا بتلاؤ تو کہ اس کرتا کے ساتھ کونسا پاجامہ اچھا لگے گا؟ اور اس جوڑے پر دوپٹا کونسا ہونا چاہیئے ؟۔

سجاوٹ بناوٹ میں عورتوں کا طرزِ عمل

پھر ان کا سب سے بدتر مذاق یہ ہے کہ یہ سب زینت محض دوسرے کو خوش کرنے کو کرتی ہیں باقی خاوند کے سامنے ایسی میلی کچیلی رہیں گی جیسے بھنگن، اگر کہیں برادری وغیرہ میں جائینگی تو غسل صحت بھی ہوگا (یعنی جیسے آدمی تندرست ہو کر مدت کے میل کچیل کو اچھی طرح صابون کھلی وغیرہ لگا کر بدن سے صاف کرتا ہے) جب واپس آئیں گی تو خاوند کی قسمت میں وہی مبارک صورت ہوگی۔

(۱) پستی اور عاجزی کی بھی ایک شان ہے (۲) صفائی کرنے والی عورت جو پاخانہ وغیرہ بھی اٹھاتی ہے (۳) خوب زیور پہن کر جائیں گی (۴) گوٹے اور مختلف ڈیزائن والے کپڑے ہوں۔

جہاں گھر میں آئیں فوراً زیبائش کے کپڑے اتار پھینکے خدا جانے یہ عورتوں کا کیا مذاق ہے؟ کہتی ہیں وہاں ضرورت تھی اس لئے زیور کپڑے پہن لئے یہاں کہاں ضرورت ہے اور وہ ضرورت صرف یہ ہے کہ شان کو ظاہر کرنا چاہتی ہیں کہ ہم کو کوئی ہلکا نہ سمجھے۔ اگر اعتدال سے زینت ہو تو مضائقہ نہیں مگر اتنا انہماک کہ ہر وقت اسی میں لگی رہتی ہیں یہ ٹھیک نہیں یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ ان کے پاس اچھا خاصا زیور ہے مگر کسی بی بی کے پاس کسی اور وضع یا نقشہ کا زیور بنا ہوا دیکھا بس فریفتہ ہو گئیں اور اس سے فرمائش کی جاتی ہے کہ بہن ذرا مجھ کو دے دینا میں بھی ایسا ہی بنواؤں گی۔ پھر اس سے زیور لیکر شوہر سے فرمائش کرتی ہیں کہ ایسا بنوا دو اب، وہ ہر چند سمجھاتا ہے کہ اس کو کیوں خراب کرتی ہو اچھا خاصا بنا بنایا زیور خراب ہو جاویگا۔ سنار کھوٹ ملا دیگا تو چار پیسے کا زیور رہ جائیگا مگر ایک نہیں سنتیں یہ ہی کہتی ہیں کہ مجھے تو اسی نمونہ کا بنوا دو کچھ ہی ہو اب وہ بیچارہ ان کے اصرار پر دلجوئی بھی کرتا ہے اور یہ اس کی عقل پر غالب ہو جاتی ہیں۔ عاقل دلشکنی [1] کو پسند نہیں کرتا آخر وہ کہتا ہے کہ تم جیتی میں ہارا اور پھر اس پر بس نہیں۔ اگر اگلے مہینہ میں اور کوئی نمونہ سامنے آ گیا تو یہ کہتی ہیں کہ اب یہ نمونہ ہونا چاہیئے۔ غرض ہر چیز پر ان کا عشق ہے بس یہی چاہتی ہیں کہ جیسی چیز اور کسی کے پاس ہو ویسی ہی ہمارے پاس ہو جاوے۔ شوہر کی ساری کمائی ان کی زیب و زینت ہی میں صرف ہوتی ہے اور یہ ساری مذکورہ خرابیاں حُبِ جاہ اور حبِ مال کی ہیں مردوں میں بھی اور عورتوں میں بھی، صرف فرق یہ ہے کہ مردوں میں کسی قدر ضرورتوں پر نظر ہے اور عورتوں میں ضرورتوں پر بھی نظر نہیں۔

(۱) عقل مند شوہر ان کا دل توڑنا نہیں چاہتا۔

آیاتِ مذکورہ بالا کے انتخاب کی وجہ

اس لئے اس کے متعلق بیان کی ضرورت معلوم ہوتی ہے اسی لئے میں نے یہ آیت اس وقت اختیار کی ہے۔ اگرچہ آیت میں کفار کی حالت بیان کی گئی ہے کہ ان میں فلاں فلاں صفات ذمیمہ [1] پائی جاتی ہیں مسلمانوں کی حالت بیان نہیں کی گئی۔ مگر اس عنوان سے بیان کرنے میں ایک بڑا فائدہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس میں اس پر دلالت ہے کہ یہ صفات فی نفسہ ایسی بُری خصال [2] ہیں کہ کفار میں بھی باوجود کافر ہونے کے بُری ہیں تو مسلمانوں میں تو اسلام کے ہوتے ہوئے بدرجہ اولیٰ نہ ہونا چاہئیں [3] اس اعتبار سے یہ آیت مسلمانوں کے لئے ان صفات ذمیمہ سے زیادہ مانع ہونی چاہیئے [4]۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک تو سادہ کپڑے پر دھبا ہو وہ ایسا بُرا نہیں معلوم ہوتا جیسا سفید کپڑے پر بُرا معلوم ہوتا ہے۔ یہ میں نے اس لئے کہا کہ بعض لوگ شاید یوں کہیں کہ یہ آیتیں تو کفار کے بارے میں ہیں اور مسلمانوں میں ان کو کیوں جاری کیا جاتا ہے۔

معتزلہ اور خوارج کا رد

بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں ان آیات کے جاری کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ صفات اگر مسلمانوں میں پائی جاویں تو ان کو ان صفات کی وجہ سے کافر بنایا جاوے۔ اس درجہ میں تو منطبق کرنا حرام ہے [5] اور اس میں ترک

(۱) فلاں فلاں بُری عادات پائی جاتی ہیں (۲) اپنی ذات کے اعتبار سے یہ ایسی بُری عادتیں ہیں کہ ان سے بچنا ضروری ہے (۳) یقیناً نہیں ہونی چاہئیں (۴) اس لئے یہ آیات مسلمانوں کو ان بُری عادات سے زیادہ روکنے والی ہونی چاہئیں (۵) ان عادات کی وجہ سے مسلمانوں کو کافر کہنا اور اس کو ان آیات سے ثابت کرنا تو حرام ہے۔

ہے نصوص کا[1] یہ تو مذہب خوارج کا ہے وہ کہتے ہیں کہ کبائر کے ارتکاب سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے[2] حالانکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((لَا تُكَفِّرُوْهُ بِذَنْبٍ وَلَا تُخْرِجُوْهُ مِنَ الْإِسْلَامِ)) یعنی کسی مسلمان کو کافر مت بناؤ کسی گناہ کی وجہ سے اس کو اسلام سے خارج مت کرو حضور ﷺ نے دو جملہ ارشاد فرمائے ہیں ((وَلَا تُكَفِّرُوْهُ بِذَنْبٍ)) اور دوسرا ((وَلَا تُخْرِجُوْهُ مِنَ الْإِسْلَامِ)) بظاہر دوسرے جملہ کے بیان کرنے کی حاجت[3] نہیں معلوم ہوتی کیونکہ ((لَا تُخْرِجُوْهُ مِنَ الْإِسْلَامِ)) تو ((لَا تُكَفِّرُوْهُ بِذَنْبٍ)) میں خود ہی آ گیا کیونکہ جب مسلمان کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہ ہوا تو خروج من الاسلام[4] بھی نہ پایا گیا۔ پھر دوسرا جملہ ارشاد فرمانے کی کیا ضرورت تھی سو اسکا راز یہ ہے کہ آپ کے بعد دو مبتدع[5] فرقے بڑے بڑے پیدا ہونے والے تھے جن کا فتنہ عظیم تھا، ایک خوارج دوسرے معتزلہ، خوارج کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان گناہ کبیرہ کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ کبیرہ کے ارتکاب سے کافر تو نہیں ہوتا مگر مومن بھی نہیں رہتا، ایک بین بین حالت ہو جاتی ہے نہ اس کو کافر کہہ سکتے ہیں نہ مومن، آپ نے ان دونوں فرقوں پر نکیر فرمائی[6]۔ پہلے جملے میں تو خوارج کا رد ہے اور دوسرے میں معتزلہ کا، اس لئے آپ نے دو جملے ارشاد فرمائے۔

میں ہر چند قصد کرتا ہوں کہ ایسے غیر اہل علم کے مجمع میں ایسی باتیں نہ بیان کروں جو اہل علم کے لائق ہیں عوام کے مناسب نہیں۔ مگر ایک آدھ بات ایسی بیان ہو ہی جاتی ہے۔ بہرحال ان آیات کا مسلمانوں کے حق میں اس طرح جاری کرنا کہ ان کو ان صفات کے ارتکاب سے کافر بنایا جاوے تو یہ مذموم ہے۔[7]

(۱) قرآن کی دوسری آیات کو ترک کرنا لازم آتا ہے (۲) گناہ کبیرہ کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے یہ خوارج کا مذھب ہے (۳) ضرورت (۴) جب گناہ کے ارتکاب سے کافر نہ ہوا تو اسلام سے نکلنا بھی لازم نہ آیا (۵) دو بڑے بدعتی فرقے پیدا ہونے والے تھے (۶) آپ ﷺ نے دونوں فرقوں کا رد فرمایا (۷) بُرا ہے۔

عار دلانے کے لئے عتاب

لیکن ایک دوسری صورت ہے کہ تعبیر (مِنَ الْعَارِ) یعنی شرم دلانے کے طور پر ان آیات کو مسلمانوں پر جاری کیا جاوے یہ عین حکمت ہے اور شرعاً مطلوب ہے۔

چنانچہ حضور ﷺ نے خود ارشاد فرمایا ہے: ((مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ)) یعنی جس نے عمداً نماز چھوڑ دی وہ عملاً کافر ہے گو عقیدہ کے اعتبار سے کافر نہیں۔ یعنی نماز کا ترک کرنا کفار کا سا عمل ہے، کہ وہ بھی نماز نہیں پڑھتے حضور ﷺ نے ترکِ صلوٰۃ کو کفر فرمایا گو اس میں تاویل ہے مگر اصل مقصود عار دلانا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کافروں کی سی خصلتیں مسلمانوں میں کیوں ہوں۔

شبہ کا جواب

اگر کوئی یہ کہے کہ جو صفات ان آیات میں مذکور ہیں ان کے مذموم[1] ہونے کے لئے کفر شرط ہے یعنی جس شخص میں یہ صفات کفر کے ساتھ ہوں وہی انکا مخاطب اور موردِ عتاب ہوگا[2] اور اگر ان کے ساتھ کفر نہ ہو تو موردِ عتاب نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک دعوی ہے جس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔ اب رہی یہ بات کہ کافروں میں تو کفر تھا ہی اور وہ ان کے لئے کافی تھا اور صفات پر عتاب کیوں کیا گیا سو کفار کے لئے ان صفات کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو کسی کی ذات سے نہ محبت ہے نہ بغض۔ بلکہ ان کے بغض و محبت کا مدار صفات پر ہے جس میں اچھی صفات ہوں اُس سے محبت ہے اور جس میں بُری صفات ہوں اُس سے بغض ہے۔

(۱) ان کے بُرا ہونے کے لئے کفر شرط ہے (۲) اس کے لئے ہی یہ سزا ہوگی۔

بندوں سے اللہ کی محبت وبغض ان کے اعمال وصفات کی وجہ سے ہے

اوروں کا تو کیا ذکر ہے خود انبیاء علیہم السلام کے حق میں ارشاد ہے: ﴿وَلَوْ اَشْرَکُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ (۱) یعنی اگر انبیاء علیہم السلام میں بھی ایسی صفت پائی جاویں تو ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جاویگا جو اوروں کے ساتھ کیا جاوے گا اور مقدم اور تالی میں صرف ملازمت کافی ہے گو مقدم کا وقوع محال ہی ہو (۲) پس ہر چند کہ ان حضرات سے ایسا ہو نہیں سکتا مگر نعوذ باللہ بفرض محال اگر ایسا ہو تو وہی اثر ہوگا جو اوروں میں ہوتا ہے حضور ﷺ کی ازواج کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿یُضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ﴾ (۳) کہ نافرمانی کرنے پر ان کو دوسروں سے دوگنا عذاب ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جس کو ناز ونعمت سے پالتے ہیں اور جس کی زیادہ خاطر داری کرتے ہیں وہ اگر نافرمانی کرے تو اس پر غصہ بھی بہت آتا ہے، ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی اہل بیت سے زیادہ کون موردِ انعام وفضل ہوگا (۴)۔ بہرحال ان نصوص (۵) سے معلوم ہوگیا کہ خدا تعالیٰ کو کسی کی ذات سے نہ ایسی محبت ہے کہ چاہے جو بھی کرتا رہے پھر بھی کچھ نہ کہیں۔ اور نہ کسی کی ذات سے ایسا بغض ہے کہ وہ کیسی ہی اطاعت وفرمانبرداری کرے، پھر بھی قدر نہ ہو۔

(۱) ''اور اگر فرضاً یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کیا کرتے اُن سے سب اکارت ہوجاتے'' سورۂ انعام ۸۸ (۲) یہ علم منطق کی ایک اصطلاح ہے، قضیہ اس مرکب لفظ کو کہتے ہیں جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہہ سکیں اس کی دو قسمیں ہیں حملیہ اور شرطیہ، قضیہ شرطیہ وہ قضیہ ہے جو دو قضیوں سے ملکر بنے اس میں سے پہلے کو مقدم دوسرے کو تالی کہتے ہیں ان دونوں میں ایسا تعلق ہوتا ہے جیسے شرط اور جزا میں ہوتا ہے کہ ایک کے بعد دوسرے کا پایا جانا ضروری ہے۔ اگرچہ پہلے کا پایا جانا ناممکن ہو جیسے مثال مذکور میں کہ انبیاء علیہم السلام سے شرک کا صدور ناممکن ہے لیکن اگر خدانخواستہ ایسا ہو تو چونکہ دونوں میں تعلق قضیہ شرطیہ کا ہے دوسرے کا وقوع بھی ہوگا یعنی اعمال کا ضائع ہونا اور چونکہ انبیاء علیہم السلام سے پہلے کا وقوع ہی نہیں ہوا کہ شرک کیا ہو تو دوسرا بھی واقع نہیں ہوا کہ حبط عمل ہو (۳) ''اس کو دوہری سزا دی جائیگی'' سورۂ احزاب ۳۰ (۴) ان کے گھر والوں سے زیادہ کس پر فضل وانعام ہوگا (۵) ان آیات واحادیث سے۔

اللہ اپنے محبوب بندوں کی حفاظت فرماتے ہیں

میں نے اپنے بیان میں ایسی کی قید اس لئے لگائی ہے کہ حق تعالیٰ کو بعض سے اتنی محبت ضرور ہے کہ ان کو معاصی نہیں کرنے دیتے (۱)۔ ان کے افعال کے قبل ہی ان کے ساتھ خدا تعالیٰ کو محبت ہوگئی ہے (۲) جس کی وجہ سے ان کی حفاظت کرتے ہیں، ان گناہوں سے بچاتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں حضور ﷺ کے بارے میں: ﴿وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْهِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا﴾ (۳) یعنی اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ ان کی طرف کسی قدر تھوڑا سا مائل ہونے کے قریب ہوجاتے، اللہ اکبر کیا شانِ حفاظت ہے کہ قلیل در قلیل کے میلان سے بھی حفاظت کی جاتی ہے (۴) اگر کبھی ایسوں سے لغزش ہونے والی ہوتی ہے تو ان کو سنبھال لیتے ہیں آگے نہیں بڑھنے دیتے، ایسے بندوں کو خدا تعالیٰ نے پہلے سے محفوظ رکھا ہے کہ معصیت اُن سے ہوتی ہی نہیں۔

معصوم، مراد اور محفوظ کی تعریف

انبیاء علیہم السلام سب ہی ایسے ہوئے ہیں اولیاء رحمہم اللہ میں بھی بعض ایسے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو مراد کہتے ہیں۔ اور ایک ہوتے ہیں مرید جو کہ مجاہدہ کرکے معاصی سے محفوظ رہتے ہیں۔ بعض اولیاء رحمہم اللہ کو یہ مرتبہ دیا (یعنی مرادیت کا) ان کے ارادوں کے اسبابِ بُعد منہدم کردیتے ہیں (۵) اس لئے ان سے معصیت

(۱) گناہ نہیں کرنے دیتے (۲) اچھے کام کرنے سے پہلے ہی اللہ کو ان سے محبت ہوگئی ہے (۳) ''اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو آپ ان کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے'' سورۂ بنی اسرائیل ۷۴ (۴) بہت تھوڑا سا مائل ہونے سے بھی حفاظت کی جاتی ہے (۵) گناہوں میں مبتلا ہونے کے دور کے اسباب بھی ختم فرمادیتے ہیں۔

سرزد ہی نہیں ہوتی ایسے اولیاء رحمہم اللہ کو محفوظ کہتے ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام کو معصوم۔

عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے معنی

اگر کسی کو شبہ ہو کہ انبیاء علیہم السلام سے تو معاصی صادر ہوئے ہیں پھر معصوم ہونے کا حکم کیسے کیا گیا مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں ﴿عَصٰى آدَمُ رَبَّهٗ﴾ کہ آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ﴿عَصٰى﴾ کے معنی مجازی مراد ہیں یعنی خطائے اجتہادی جیسا اپنے موقع میں ثابت ہو چکا ہے اور خطائے اجتہادی میں تو ایک گنا ثواب ملتا ہے پس وہ صورۃً خطا ہے ورنہ واقع میں طاعت ہے[1] کیونکہ ثواب مخصوص ہے طاعت کے ساتھ[2] پس انبیاء علیہم السلام کی لغزشیں حقیقت میں طاعات ہی ہیں۔ ان کو حق تعالیٰ عقوبت[3] کا کام کرنے ہی نہیں دیتے۔ اس وقت اس تحقیق کا زیادہ موقع نہیں اس وقت مجھے فقط اتنا بتلانا ہے کہ یہ تو ہوسکتا ہے کہ کسی بندہ کے ساتھ حق تعالیٰ کا یہ معاملہ ہو کہ اس کو گناہ کرنے ہی نہ دیں۔ مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ باوجود گناہ کرنے کے محبت باقی رہے اسی واسطے میں نے اپنی تقریر میں ایسی کی قید لگائی بہت لوگوں کو یہ ناز ہے کہ ہم کچھ بھی گناہ کرلیں کچھ نہ ہوگا کیونکہ ہم بزرگوں کی اولاد میں سے ہیں۔ مگر یہ خیال محض باطل ہے۔ یہ عقیدہ یہود اور نصاریٰ کا ہے خوب سمجھ لیجئے کہ خدا تعالیٰ کو کسی سے ایسی محبت نہیں کہ معاصی کرنے پر بھی وہ باقی رہے نہ ایسا بغض ہے کہ طاعت سے بھی قدر نہ ہو۔

انسان کی محبت اور بغض کا حال

جیسے انسان کا حال ہے کہ کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو وہ جو کچھ بھی کرے

(۱) صورت کے اعتبار سے غلطی ہے ورنہ حقیقت میں تو فرمانبرداری ہے (۲) ثواب فرمانبرداری پر ہی ملتا ہے (۳) ان کو اللہ پاک ایسا کام کرنے ہی نہیں دیتے جس میں سزا ہو۔

سب معاف، اور یا بغض ہو جاتا ہے تو وہ کیسی ہی اطاعت کرے مگر قبول ہی نہیں جیسے کسی حاکم کو کسی کی ذات سے بغض ہو جاتا ہے[1] تو وہ اس کو قید ہی کرنا چاہتا ہے۔ وکلاء و بیرسٹر وغیرہ سب کے سب رہ جاتے ہیں کچھ بھی نہیں ہوتا اسی طرح اگر کسی سے ذاتی نفرت ہوتی ہے تو اس کے ہزار کمالات بھی بے اثر ہو جاتے ہیں بلکہ عیوب نظر آنے لگتے ہیں۔

ایک بزرگ تھے اچھے اچھے لوگ ان کے معتقد تھے مگر بی بی ان کی نالائق تھی وہ ان کی معتقد نہ تھی بلکہ ایذائیں دیتی تھی[2]۔ ہمیشہ ان سے لڑتی رہتیں ان کے خوارق اور کرامات دیکھتی تھیں[3] مگر اس کا اعتقاد ہی ان پر نہ ہوتا تھا۔ ایک روز وہ بزرگ قصداً ہوا میں اُڑے، اور اپنے گھر کے اوپر سے گزرے تاکہ بی بی دیکھے اور ایذاء دینا چھوڑ دے مستورات نے جو ان کے گھر میں جمع تھیں دیکھ کر کہا کہ یہ کوئی ابدال[4] معلوم ہوتے ہیں ان کی بی بی نے بھی کہا کہ واقعی ابدال ہی ہیں جب وہ گھر آئے تو بی بی نے کہا اللہ اکبر آج ہم نے عجیب بات دیکھی جو کبھی نہیں دیکھی نہ سنی۔ ایک بزرگ ہوا میں اُڑ رہے تھے بڑے صاحب کمال تھے۔ ان بزرگ نے کہا کہ بی بی تم نے پہچانا بھی، کہا نہیں فرمایا وہ میں ہی تھا تو وہ کہتی ہے کہ ہاں جب ہی ٹیڑھے اُڑ رہے تھے۔ اس بی بی کو ان کی ذات سے بغض تھا اس لئے باوجود ایسا کمال دیکھنے کے بھی ان کی معتقد نہ ہوئیں۔

بات یہ ہے کہ انسان جس کے متعلق کوئی رائے اچھی بُری قائم کرلیتا ہے تو گو اس کو کیسی ہی دلیل اس کے خلاف کی ملے مگر یہی چاہتا ہے اپنی رائے

(۱) ذاتی دشمنی ہو جاتی ہے (۲) تکلیفیں دیتی تھی (۳) عادۃً جو بات نہ ہوتی ہو کسی بزرگ سے ظاہر ہو اس کو خارق عادت یعنی عادت کو توڑنے والا اور کرامت بھی کہہ دیتے ہیں (۴) بزرگوں کی بارہ قسمیں ہیں ان میں سے ایک ابدال ہے۔

نہ بدلے۔ سو خدا تعالیٰ کی شان اس سے بہت ارفع ہے کہ کوئی ہزار برس بھی طاعت کرے اور بغض ذاتی [1] کی وجہ سے ان کے نزدیک اس کی قدر نہ ہو یا کوئی گناہ کیا کرے اور حب ذاتی [2] کی وجہ سے وہ کچھ نہ کہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ کسی کی طاعت سے ان کا ذرہ برابر نفع، نہ کسی کی معصیت سے ان کا کچھ ضرر، وہاں تو کیفیت یہ ہے ؎

ہر کہ خواہد گو بیاؤ ہر کہ خواہد گو برو
دار و گیرد صاحب و درباں دریں درگاہ نیست [3]

اور حق سبحانہ تعالیٰ کے غنی ہونے کے یہی معنی ہیں نہ وہ معنی جس کو عوام سمجھتے ہیں کہ نعوذ باللہ نہ کسی بات کا انتظام ہے نہ کسی کے آرام و تکلیف کی پرواہ ہے جس کو چاہا بدون حکمت کے یتیم کر دیا جس کو چاہا غریب کر دیا جس کو چاہا مصیبت میں ڈال دیا جسے چاہا بیمار کر دیا جب کوئی یتیم ہو جائے یا غریب ہو جائے یا مصیبت میں پڑ جائے تو ایسے موقع پر کہا کرتے ہیں کہ خدا کی ذات بے پرواہ ہے یعنی کسی کے نفع و ضرر کی کوئی رعایت نہیں ایسے موقع پر یہ کلمہ بہت ہی سخت ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کو کسی پر رحم نہیں نہ کسی کی مصلحت کی رعایت کرتے ہیں۔ لوگ بدلالتِ حال یہ چاہتے ہیں کہ جو مصلحت کسی واقعہ میں ہم سمجھتے ہیں خدا تعالیٰ بھی نعوذ باللہ اسی کے موافق معاملہ فرما دیں۔ اگرچہ یہ عقیدہ نہ ہو مگر اقوال سے تو یہی مفہوم ہوتا ہے بڑے بڑے اس میں مبتلا ہیں۔ یہ جو بیماری آج کل ہوتی تھی اس میں کیسے کیسے کلمات لوگوں نے کہے ہیں کہ کفر تک بکا ہے (بیماری ہوئی تھی اس میں بہت جگہ ایسا ہوا کہ بچے یتیم رہ گئے گھر میں کھانے کو نہ تھا بیوی بیوہ ہو گئی تو لوگ کہتے تھے کہ بس اللہ میاں

(۱) ذاتی دشمنی کی وجہ سے (۲) ذاتی محبت کی وجہ سے (۳) جس کا دل چاہے آئے جس کا دل چاہے جائے میرے دربار میں کوئی پکڑ دھکڑ اور نگران و دربان نہیں ہے۔

کے یہاں نعوذ باللہ کوئی قاعدہ نہیں اندھا دھند معاملہ ہے کسی کی پرواہ ہی نہیں بڑی بڑی شکایتیں کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی) اس سے توبہ کرنی چاہئے۔ خدا تعالیٰ کے غنی ہونے کے یہ معنی نہیں جو مذکور ہوئے بلکہ یہ معنی ہیں کہ کسی کی طاعت سے ان کو نفع نہیں اور کسی کے کفر و معصیت سے ان کا ضرر نہیں چنانچہ اس معنی کو صریحاً فرماتے ہیں: ﴿اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ﴾ [1] یعنی "اگر تم کفر کرو تو اللہ تم سے غنی ہے" یعنی اس کا کچھ بھی ضرر نہیں [2]۔ جیسے سلاطین دنیا کو رعایا کے بگڑنے سے ضرر ہوتا ہے ایسا نہیں ہے۔ اگر کسی بادشاہ کی رعایا اس سے باغی ہو جاوے تو اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اس کا تخت و تاج باقی نہیں رہتا ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔ اس کا احتمال حق تعالیٰ میں نہیں ہے اگر تمام آسمان و زمین والے باغی ہو جاویں تو وہاں ذرہ برابر بھی ضرر نہیں اور یہ بھی نہیں کہ کوئی ہزار برس تک معاصی کرتا رہے [3] پھر رجوع کرے اور توبہ کرے تو قبول نہ ہو۔ چنانچہ ارشاد بالا کے بعد ہی یہ بھی ارشاد ہے: ﴿وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ﴾ [4]

شیطان کی سرکشی

چنانچہ میں ایک روایت سیَر [5] کی نقل کرتا ہوں۔ سیَر کی روایت بطور تائید کے بیان کر دی جاوے تو مضائقہ نہیں جبکہ وہ نصوص سے متاید ہو اس روایت سے معلوم ہوگا کہ شیطان کو بھی جو سب سے اعلیٰ درجہ کا نافرمان ہے حق تعالیٰ نے توبہ سے مستثنیٰ نہیں کیا وہ روایت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حق تعالیٰ سے مناجات کے لئے تشریف لے جا رہے تھے کہ شیطان ملا اور آپ سے کہا کہ میری بھی ایک درخواست ہے میں بہت گنہگار ہوں میرے لئے بھی حق تعالیٰ سے دو کلمہ کہہ دیجئے گا انبیاء علیہم

(۱) سورۂ زمر: ۷ (۲) نقصان نہیں (۳) گناہ کرتا رہے (۴) "اور اگر تم شکر کرو گے تو اس کو تمہارے لئے پسند کرتا ہے" سورۂ زمر: ۷ (۵) اسرائیلی روایت۔

بڑے شفیق ہوتے ہیں۔ اس کے اس کہنے پر آپ کو رحمت کا جوش ہوا اور آپ نے وعدہ فرمالیا غرض خدا تعالیٰ سے مناجات ہوئی آپ شیطان کا پیام بھول گئے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کسی بندہ سے وعدہ کر کے بھول گئے، آپ کو یاد آ گیا اور آپ نے شیطان کے بارے میں عرض کیا اس پر ارشاد ہوا کہ اُس سے کہہ دینا کہ ہمارا تمہارا جس بات پر بگاڑ ہوا ہے وہی اب بھی ہے گو آدم اس وقت موجود نہیں مگر ان کی قبر موجود ہے۔ ان کی قبر کو سجدہ کر لے بس سب معاف ہے آپ بہت خوش ہوئے کہ یہ تو بڑا سستا نسخہ ہے اس میں اس کا کیا حرج ہے اچھا ہو کہ وہ ایسا کر لے تو دنیا سے سارا فساد ہی مٹ جاوے غرض آپ واپس تشریف لائے اور شیطان ملا تو آپ نے فرمایا تو بڑا خوش قسمت ہے وہاں سے عجیب وغریب جواب ملا ہے اُس نے کہا بتلایئے تو سہی آپ نے جو جواب ارشاد ہوا تھا اس سے کہہ دیا۔ اس نے کہا سبحان اللہ اچھا پیام لائے جب میں نے آدم کو ان کی زندگی میں سجدہ نہیں کیا تو اب مرنے کے بعد تو ضرور کروں گا؟ کم بخت خبیث ملعون نے یہ جواب دیا شیطان کی خود ہی حالت ایسی ہے کہ آسان سے آسان نسخہ بھی کم بخت کو بتلایا تو اس سے نہ ہو سکا۔ جب خناس دماغ میں گھسا ہو تو عمل کون کرے لیکن اگر وہ بھی توبہ کر لے تو اس کو بھی روک ٹوک نہیں مگر وہ کمبخت کیوں کرنے لگا اس کی قسمت ہی میں نہیں۔ آگے راز قدر کا ہے اس میں خوض (۱) نہ کرنا چاہیئے۔ غرض جب شیطان کے لئے بھی توبہ کی گنجائش ہے تو پھر اور کون رہ گیا۔

حق تعالیٰ بعد فہرست کبائر کے ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا اِلَّا مَنْ تَابَ﴾ (۲) اس آیت میں کسی کو توبہ سے مستثنیٰ نہیں کیا جب تک مغرب سے آفتاب نہ نکلے اس

(۱) غور و فکر (۲) "اور جو شخص ایسے کام کریگا تو سزا سے اس کو سابقہ پڑے گا کہ قیامت کے روز اسکا عذاب بڑھتا چلے جاوے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل ہو کر رہے گا مگر جو توبہ کر لے" سورۂ فرقان: ۶۸ تا ۷۰)

وقت تک یہی قانون ہے کہ ہر ایک کی توبہ قبول ہے کوئی بھی ہو غرض قانون عام ہے گو اس کا زمانہ محدود ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو کسی سے بھی حب ذاتی اور بغض ذاتی نہیں (۱) کفار سے بھی ان کی ذات کی وجہ سے بغض نہیں بلکہ ان کے افعال سے بغض ہے (۲) جس میں کفر سب سے اشد ہے اور دوسرے افعال بھی موجب بغض ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں یہ افعال مبغوض ہیں (۳) جب یہ ثابت ہو گیا کہ ان افعال کی وجہ سے خدا تعالیٰ کو کفار سے بغض ہے تو ان سے ہمیں بھی بچنا چاہیئے ایک تو اس وجہ سے کہ وہ افعال مبغوض ہیں دوسرے اس لئے کہ ہم مکلف ہیں فروع (۴) کے اس لئے ہمارے حق میں ان کا قبح زیادہ شدید ہو گا (۵) اس لئے ہم کو اور بھی زیادہ بچنا چاہیے۔ یہ تو تمہید تھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بغض وحب کا مدار افعال وصفات پر ہے نہ کہ ذات پر۔

خطاب عام

اب میں آیت کی تفسیر شروع کرتا ہوں جس میں اللہ تعالیٰ کفار کا ایک مقولہ بیان فرماتے ہیں جس کو وہ مسلمانوں سے کہا کرتے تھے وہ مقولہ ہے: ﴿اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِیًّا﴾ (۶) جس کو وہ ہماری آیتیں کھلی کھلی ان لوگوں کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو یہ کفار ایمان والوں سے یوں کہتے ہیں کہ دونوں فریق میں سے کونسا فریق بہتر ہے مکان میں اور اچھا ہے محفل میں: ﴿وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ﴾ میں (هُمْ) کی ضمیر ظاہراً ان کفار کی طرف عائد ہے مگر نہ تخصیص کی بناء پر بلکہ تبلیغ عام کے وقت وہ تلاوت ان لوگوں کے سامنے بھی ہو جاتی تھی اور تخصیص کی نفی اس لئے

(۱) اللہ کو کسی سے ذاتی محبت وعداوت نہیں (۲) ان کے افعال کی وجہ سے ان سے بغض ہے جن میں کفر سب سے بڑھ کر ہے (۳) یہ افعال ناپسندیدہ (۴) ذیلی احکامات مثلاً نماز، روزہ وغیرہ (۵) ان کی برائی زیادہ شدید ہوگی (۶) سورۂ مریم: ۷۳۔

کی گئی کہ ایسا نہ ہوتا تھا کہ خاص انکا کوئی جلسہ کر کے اس میں تلاوت ہوتی ہو۔

کفار کے لئے علیحدہ سے مجلس خطاب کی ممانعت

کفار نے جدا جلسہ چاہا تھا اور حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر ایک دفعہ یہ کہا تھا کہ ہم آپ کی بات کو نہیں سنیں گے مگر ہماری مجلس غرباء سے علیحدہ کر دیجئے ہم ان میں بیٹھنا نہیں چاہتے کیونکہ یہ ذلیل لوگ ہیں اور ہم رؤساء ہیں۔ ان میں بیٹھ کر ہماری عزت کو بٹہ لگتا ہے ہماری اہانت ہوتی ہے [1]۔ حضور ﷺ نے اتمام حجت کی غرض سے اس کا کچھ خفیف سا خیال بھی کیا تھا تا کہ ان کے پاس پھر کوئی عذر نہ رہے اور شاید ہدایت ہی ہو جاوے مگر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۭ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [2]

''اور مت دور کرو ان کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام، چاہتے ہیں رضامندی اس کی۔ تم پر نہیں ان کے حساب میں سے کچھ۔ اور نہ تمہارے حساب سے ان پر کچھ تم اگر ان کو دور کردو پھر ہو جاؤ گے تم بے انصافوں میں سے''

ایک جگہ اسی کے قریب المعنیٰ یہ آیت ہے: ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ [3]

(۱) ہماری بے عزتی ہوتی ہے (۲) سورۂ انعام: ۵۲ (۳) سورۂ کہف: ۲۸۔

''اور روک رکھو اپنی ذات کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام طالب ہیں اس کی رضامندی کے اور نہ ہٹیں تمہاری آنکھیں ان کو چھوڑ کر تلاش میں رونق دنیا کی زندگی کی۔ اور نہ کہا مانو اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے اپنی یاد سے، اور پیروی کی اُس نے اپنی خواہش کی اور ہے اس کا کام حد سے نکلا ہوا''۔ یہ ﴿تُرِيْدُ﴾ مستقل جملہ نہیں ہے کہ جس سے لازم آوے کہ آپ سے اس کا (یعنی ارادہ زینت دنیا کا) صدور بھی ہوا ہو، بلکہ نہی کے تحت میں ہے اور ترکیب میں حال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کی آنکھیں ان سے نہ ہٹیں جس کا منشاء اور سبب ارادہ حیات دنیا کا ہوتا آگے صاف صاف فرمادیا ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [1] کہ جس کے جی میں آئے کفر کرے آپ کو کچھ خوشامد نہیں پڑی غرض آپ کو منع فرمایا کہ کوئی خاص جلسہ ان خبیثوں کے لئے نہ کیا جاوے ان کو سو دفعہ غرض پڑے آئیں ورنہ جائیں جہنم میں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے خلیفہ نے درخواست کی تھی کہ شاہ زادوں کے واسطے حدیث سنانے کا جلسہ علیحدہ کر دیا جاوے کیونکہ عام جلسہ میں پڑھنا ان کے لئے عار ہے [2] آپ نے اس کو منظور نہیں کیا۔ خلیفہ نے پہلے ان سے یہ فرمائش کی تھی کہ آپ شاہ زادوں کو مکان پر آ کر درس دیا کریں آپ نے فرمایا کہ علم مطلوب ہے طالب نہیں۔ خلیفہ سمجھدار تھے اور نبوت کا زمانہ بھی قریب تھا اس لئے فوراً سمجھ گئے اور شاہ زادوں کو حکم دیا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر جا کر جلسہ عام میں بیٹھا کریں۔ یہ تو ﴿تُتْلٰى عَلَيْهِمْ﴾ کے متعلق تحقیق تھی۔

مضامین قرآن کا سمجھنا ہر ایک کے لئے آسان نہیں

اس کے بعد آیت میں ﴿بَيِّنٰتٍ﴾ کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں کھلی کھلی آیتیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسائل مستنبطہ میں کھلے ہوئے ہیں بلکہ ظاہر مقصود یعنی

(۱) سورۂ کہف: ۲۹ (۲) باعث شرمندگی۔

عبارۃ النص بالکل کھلا ہوا ہے اس میں اغلاق نہیں۔ باقی دلالۃ النص اور اشارۃ النص اور اقتضاء النص (۱) وہ کھلے ہوئے نہیں کہ ہر کوئی اس کو سمجھ لے، چنانچہ ایک آیت میں ارشاد ہے: ﴿وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۚ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾ (۲)

اس میں منافقین کی شکایت ہے کہ جب کوئی خبر امن کی یا خوف کی آتی ہے اس کو پھیلا دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر خود ان کو عقل نہیں تو حوالہ کرتے ان لوگوں کے جو استنباط کی قوت رکھتے ہیں۔ جب معمولی خبروں کی حقیقت سمجھنے میں قوتِ استنباط شرط ہے تو اور امور علمیہ کے لئے تو اشد ضروری ہے، ہاں ظاہری مدلول کھلا ہوا ہے ہی۔

کفار کا جاہلانہ استدلال

غرض کفار اہل ایمان کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ دیکھو گھر کس کا اچھا ہے بیٹھک کس کی اچھی ہے یعنی اپنی زیب وزینت سے مسلمان پر کفار فخر کرتے تھے اور مقصود اُن کا یہ تھا کہ اگر ہم بُرے ہوتے تو ہم سے خدا تعالیٰ کو بغض ہوتا اور جب بغض ہوتا تو نہ ایسا اچھا گھر دیتے نہ بیٹھک دیتے نہ مال دیتے نہ اولاد دیتے غالبًا انہوں نے کسی پھانسی کے مجرم کو نہ دیکھا ہوگا کہ اس کی کیسی خاطر کی جاتی ہے مگر آج کل تو سب جانتے ہیں کہ پھانسی والے کی بڑی خاطر کی جاتی ہے اس سے کہتے ہیں کسی چیز کو دل چاہتا ہو تو بتلا دو اگر وہ کہے فلاں چیز کو دل چاہتا ہے تو اس کے لئے وہ چیز موجود کی جاتی ہے اس سے پوچھتے ہیں کہ کسی سے ملوگے اگر کہے تو ملاتے بھی ہیں تو اس

(۱) اس آیت سے دلالت النص کے طور پر کیا حکم معلوم ہوتا ہے اور اشارۃ النص سے کیا حکم معلوم ہوتا اور اقتضاء النص سے کیا حکم نکلتا ہے یہ معلوم کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں یہ علماء کا کام ہے (۲) ''اور جب اُن لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اس کو رسول کے اور جو اُن میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں اُن کے اوپر حوالہ رکھتے تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو اُن میں اس کی تحقیق کرلیا کرتے ہیں'' سورۂ نساء:۸۳۔

وقت سب جانتے ہیں کہ اس کی کیسی خاطر کی جاتی ہے مگر نتیجہ بھی سب کو معلوم ہے کہ کیا ہوتا ہے۔ اب اگر وہ پھانسی والا اُس منظر کو دیکھ کر یوں سمجھے کہ میں حاکم کا بڑا محبوب ہوں اور یہ خیال کرے کہ رؤساء کو تو ابھی چائے تک بھی نہیں دی گئی اور میری یہ خاطر ہو رہی ہے تو یہ اس کی کتنی بڑی حماقت ہے۔ قاعدہ یہی ہے کہ جتنا سنگین مقدمہ ہوتا ہے اسی قدر مجرم کو مہلت دی جاتی ہے، تو شرک وکفر سے بڑھ کر کونسا جرم ہوگا اس لئے اس میں مہلت بھی اچھی دی گئی۔ پس کفار کا یہ استدلال کتنا باطل تھا کہ ہم خوشحال ہیں ہمارے گھر اچھے ہیں ہماری نشست گاہ عمدہ ہے اس لئے ہم خدا کے محبوب ہیں اور تمہارے پاس کیا ہے روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں ملتی۔ ہمارا خوشحال ہونا دلیل ہے اس امر کی کہ ہم حق پر ہیں۔

تمثیل

اس دلیل کی ایسی مثال ہے جیسے ایک سرحدی دیہاتی ہندوستان آیا تھا۔ ایک دُکان پر اُس نے حلوا رکھا دیکھا، کھانے کو جی چاہا پاس کچھ تھا نہیں تو آپ نے کیا کیا کہ حلوا مٹھی میں بھر کر وہاں سے بھاگے حلوائی پیچھے پیچھے دوڑا جب دیکھا کہ یہ تو پیچھا ہی نہیں چھوڑتا تو آپ سارا حلوا منہ میں رکھ گئے اور کہا کہ جاؤ یہ حلوا نہ تمہارا رہا نہ ہمارا کیونکہ خان نے اپنی منشا کے موافق لطف کے ساتھ تو کھایا ہی نہ تھا حلوائی آپ کو حاکم کے پس لے گیا۔ حاکم نے یہ سزا تجویز کی کہ اس کو ایک گدھے پر سوار کرو اور لڑکوں کی فوج پیچھے تالیاں بجاتی جائے اس طرح شہر سے باہر کردو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کوئی لڑکا دف بجا رہا تھا(۱) کوئی تالیاں پیٹ رہا تھا، غرض اس ذلت کے ساتھ وہاں سے نکالے گئے اور اپنے ملک میں پہنچے۔ وہاں لوگوں

(۱) ڈھول۔

نے پوچھا آغا ہندوستان رفتہ بودی چہ طور یافتی [1] تو آپ کہتے ہیں۔ بابا ہندوستان خوب ملک ست حلوا خوردن مفت ست فوج طفلاں مفت ست سواری خر مفت ست ہندوستان خوب ملک ست [2] یعنی ہندوستان میں مجھ کو دولہا بنالیا گیا پیچھے پیچھے باجا بجتا چلا آتا تھا دور تک گدھے کی سواری ملی۔ سبحان اللہ کیا آپ کا مذاق تھا۔

مالداروں کے لئے دنیا کا عذاب

اسی طرح سمجھ لیجئے کہ دنیا کا سامان نافرمان کے لئے ایسی ہی سزا ہے جیسی خان کی سزا تھی مگر وہ اس کو سزا نہیں سمجھتے اور اس کا سزا ہونا کچھ آخرت ہی پر موقوف نہیں وہاں تو سزا ہوگی ہی۔ اس ساز و سامان کا سزا ہونا فہم سلیم کو دنیا ہی میں محسوس ہوجاتا ہے اسی لئے قرآن میں ہے: ﴿ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ﴾ [3] کہ اللہ تعالیٰ یہی ارادہ کرتا ہے کہ ان کو مال دولت سے دنیا میں (بھی) عذاب دے۔ اور اس ارشاد میں اس کی تحقیق زیادہ نہیں فرمائی کہ وہ عذاب کیا ہے کیونکہ ذرا سے غور سے معلوم ہوسکتا ہے کہ دنیا کا ساز و سامان بظاہر ہر سامان راحت تو ہے مگر ان کو اس سے راحت نہیں کیونکہ نافرمان لوگ ہمیشہ روحانی پریشانی میں مبتلا رہتے ہیں کہ اگر مال میں نقصان آگیا تو کیا ہوگا اگر چور لے گئے تو کیا ہوگا اور یہ ہوگا تو کیا ہوگا اور وہ ہوگا تو کیا ہوگا۔ دن رات اسی ادھیڑ بُن میں مبتلا ہیں [4] چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد (۵) اولاد نہیں ہوتی تو اس کی فکر میں ہیں اور

(۱) بھائی جان ہندوستان کیسا ملک ہے وہاں کیسی گذری (۲) ہندوستان بڑا بہترین ملک ہے حلوہ کھانے کو مفت ملتا ہے بچوں کی فوج مفت گدھے کی سواری مفت ہندوستان بہترین ملک ہے۔ (۳) سورۂ توبہ: ۵۵ (۴) صبح و شام اسی غور و فکر میں مبتلا ہیں (۵) جب مرے تو پریشانی میں ہی مبتلا ہوکر مرے اور زندہ رہے تو بھی پریشانی میں ہی مبتلا ہوکر زندہ رہے (یعنی مرنا جینا ایک جیسا ہی ہے)۔

اگر ہوگئی تو بھی فکر سوار ہے کہ جانے زندہ رہے گی یا نہیں غرض ہر وقت تردد میں ہیں۔ دن رات مال واولاد کی فکر میں پریشان ہیں ایک رئیس تھے ان کو اولاد نہ ہونے کا غم تھا مدت کے بعد اولاد ہوئی تو یہ غم سوار ہوا کہ دیکھئے زندہ بھی رہے گی یا نہیں یہاں تک کہ ان کی شادیاں بھی کردیں پھر یہ غم سوار ہوا کہ اولاد کے بھی اولاد ہوتی ہے یا نہیں۔ بیچارے ہر وقت غم و پریشانی میں رہتے تھے یہی وہ عذاب ہے جو اہل دنیا پر دنیا میں مسلط کیا جاتا ہے۔ غرض وہاں بھی عذاب اور یہاں بھی عذاب اگر صرف وہاں ہی ہو وہ بھی بہت کافی تھا چہ جائیکہ دونوں جگہ ہو۔

اہل اللہ کے لئے دنیا و آخرت دونوں جگہ راحت و آرام ہے

بخلاف اہل اللہ کے کہ وہ عذاب سے آخرت میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ بری ہیں اور دنیا میں بھی۔ ان کو یہ فکر ہی نہیں ہوتی کہ مال ہوگا تو کیا ہوگا اور نہ ہوگا تو کیا ہوگا۔ اولاد نہ ہوگی تو کیا ہوگا اور ہوگی تو کیا ہوگا۔ مرجائے گی تو کیا ہوگا جو بھی حالت پیش آئے۔ ان کے نزدیک سب یکساں ہے یہ مسلّم ہے کہ سامانِ کلفت سے فی نفسہ کلفت ہوا کرتی ہے [1]۔ مگر وہاں ایک عارض ہے جس کے سبب ان کو کلفت [2] نہیں پہنچتی وہ عارض کیا ہے محبت حق چونکہ ان کو محبت ہے خدا تعالیٰ سے اس لئے جو سبب بھی کلفت کا پیش آتا ہے وہ ان کے حق میں عین راحت ہوتا ہے محبت کا خاصہ ہی یہ ہے کہ محبوب کی طرف سے جو تکلیف بھی پہنچے وہ راحت ہی ہوتی ہے عشق مجازی میں اس کا تجربہ کرلیجئے کہ عشاق کو محبوب کی طرف سے کتنی کلفتیں پہنچتی ہیں مگر وہ ہر حال میں خوش رہتے ہیں۔

(۱) پریشانی کے سامان سے عموماً پریشانی ہی ہوتی ہے (۲) پریشانی۔

کفار کے استدلال کا جواب

غرض کفار استدلال کرتے تھے کہ ہماری حالت اچھی ہے اگر ہم بُرے ہوتے تو ہمیں یہ چیزیں کیوں دی جاتیں۔ مگر ظاہر ہے کہ یہاں کے اچھے ہونے سے کیا استدلال ہوسکتا ہے۔ جیسا ابھی بیان ہوا اس سے یہ معلوم ہوا کہ اموال دنیا پر فخر کرنا کفار کی خصلت ہے چنانچہ پہلے تو خدا تعالیٰ نے کفار کا قول نقل کیا آگے اس کا رد ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا﴾ (۱) کہ "ہم نے تم سے پہلے کتنے قرن ہلاک کردیئے جو سامان اور منظر میں تم سے بڑھے ہوئے تھے" یعنی ان کی ظاہری حالت بہت اچھی تھی۔ مال و اسباب (۲) بھی بہت تھا۔ اچھے اچھے مکانات تھے نشست گاہیں نہات آراستہ و پیراستہ تھیں۔ خلاصہ یہ کہ زیب و زینت کی چیزیں اُن کے پاس بہت تھیں مگر پھر بھی معذب ہوئے (۳) تو ان میں بھی یہی دو مرض تھے حُبِ مال و حُبِ جاہ (۴)۔

عورتوں میں دو بڑے مرض

افسوس ہے کہ آجکل اکثر عورتوں کی یہی حالت ہے کہ مال کی بھی محبت ہے اور جاہ کی بھی۔ میرا مقصود اس کی مذمت (۵) سے اس وقت تنبیہ کرنا ہے کہ کفار کی خصلت مسلمانوں میں نہ ہونی چاہیئے اور یہاں گو چند علمی مضامین کو وہ کیا سمجھ سکتی ہیں اس لئے سہل سہل (۶) مضامین بیان کررہا ہوں غرض اس آیت سے معلوم ہوگیا کہ نہ برتنے (۷) کی چیزیں قابل فخر ہیں اور نہ زینت کی چیزیں قابل فخر ہیں

(۱) سورۂ مریم: ۷۴ (۲) مال اور سامان (۳) پھر بھی ان پر عذاب آیا (۴) ان میں بھی یہ دو مرض تھے مال کی محبت اور اقتدار کی محبت (۵) برائی (۶) آسان آسان (۷) نہ استعمالی اشیا فخر کرنے کے قابل ہیں۔

مگر عورتوں کو دن رات یہی فکر ہے کہ چیزیں جمع کرلیں جو کہ مال ہے اور اس سے جاہ پیدا کریں۔ اور چونکہ یہ دو بڑے مرض ہیں اس لئے انکا علاج نہایت ضروری ہے، کیونکہ اس سے اور امراض مختلفہ پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً انسان کسی کا مال مارتا ہے تو وہ حب مال کی وجہ سے، اگر حُب مال نہ ہو تو کیوں ایسا کرے گا غیبت اسی وجہ سے کرتا ہے کہ اپنے کو بڑا اور دوسرے کو حقیر سمجھتا ہے جو کہ جاہ ہے غصہ کو جب ہی جاری کرتا ہے جب اپنے کو بڑا اور دوسرے کو حقیر خیال کرتا ہے جو کہ جاہ اور تکبر ہے۔

تکبر کی بُرائی

اور یہ تکبر ایسی بُری خصلت (۱) ہے کہ اس سے اور بہت ایسی بُری باتیں پیدا ہوتی ہیں شیطان میں یہی تو تھا۔ اسی نے تو یہ کہا تھا ﴿خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ (۲) کہ "تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے" میں بڑا ہوں یہ چھوٹا ہے۔ لوگو تم جو بڑا بننا چاہتے ہو تو ذرا اپنی حقیقت کو تو دیکھو۔

تکبر کا علاج

ایک بزرگ کے سامنے ایک شخص اکڑتا ہوا گذرا انہوں نے اس کو نصیحت کی اس نے کہا تم مجھے نہیں جانتے میں کون ہوں وہ بزرگ بولے ہاں جانتا ہوں۔ "اَوَّلُكَ نُطْفَةٌ مَذِرَةٌ وَاٰخِرُكَ جِيْفَةٌ قَذِرَةٌ وَاَنْتَ بَيْنَ ذٰلِكَ تَحْمِلُ الْعَذِرَةَ" "یعنی اول میں تو ایک نطفہ ناپاک تھا اور اخیر میں سڑا ہوا مردار ہو جاوے گا۔ اور درمیانی حالت یہ ہے کہ تیرے اندر پاخانہ بھرا ہے" ہماری عجیب حالت ہے۔ اگر ہمارے پیٹ میں سوراخ ہوتا جس سے ہروقت پاخانہ بہتا یا اس میں سے

(۱) بُری عادت (۲) سورۂ اعراف: ۱۲۔

ہر وقت بدبو آیا کرتی تو کوئی ہمیں اپنے پاس بھی نہ بیٹھنے دیتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایسا چھپا دیا ہے کہ دوسرے کا ذہن بھی نجاست تک نہیں جاتا ورنہ ہماری کیا گت ہوتی [1] اگر ہم بیٹھ کر اپنی اس حالت کو سوچ لیا کریں کہ ہمارے اندر پاخانہ بھرا ہوا ہے تو یہ بھی پورا علاج ہے تکبر کا، میں کہتا ہوں کہ جو شخص تکبر میں مبتلا ہو وہ پاخانہ میں بیٹھ کر ذرا اپنی حالت پر غور کرلیا کرے کہ میرے اندر سے کیسی چیز اور کس طرح نکل رہی ہے اگر اسی کا مراقبہ کرلیا کرے تو کافی ہے۔ بعض لوگ اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ تم ہمیں نہیں جانتے ایسے لوگوں کا جواب وہی ہے جو ان بزرگ نے دیا تھا۔ اسی بیماری میں دیکھئے کہ کیا حالتیں ہوتی ہیں ایک دن کی بیماری میں آدمی ڈھیلا ہوجاتا ہے۔ اگر کسی کو اپنے حسن و جمال پر ناز ہو اور چیچک نکل آئے تو اس سے پوچھئے کہ اب کہاں گیا وہ حسن و جمال اور کمال بعض عالموں کو دیکھا گیا کہ علوم کے ماہر تھے ان کو ایسی بیماری لاحق ہوئی کہ الحمد بھی یاد نہ رہی انسان کس کام پر فخر کرے۔

کثرتِ مال پر فخر بے وقوفی ہے

اور مال پر فخر کرنا تو بڑی ہی بے وقوفی ہے کیونکہ اور کمالات کو تو انسان سے من وجہ تلبیس [2] بھی ہے جیسے علم، شجاعت، سخاوت، مال میں یہ بھی نہیں مال کو انسان کے ساتھ صرف اضافت کا تعلق ہے کہ یہ فلاں کا مال ہے۔ اضافت پر کیا فخر اگر کہیں چور آگیا اور سب جمع پونجی لے گیا تو بس مضاف الیہ ہی مضاف الیہ رہ گئے مضاف جو تھا وہ نکل گیا۔

تھانہ بھون میں ایک بی بی تھیں کچھ اثاثہ پاس تھا۔ ایک ہی بیٹا تھا اُس کی

(۱) کیا حالت ہوئی (۲) انسان کے ساتھ وابستہ بھی ہیں۔

شادی کے واسطے خوب سامان کیا۔ ان کو خرافات میں خرچ کرنے سے منع بھی کیا گیا تو بولیں واہ ایک ہی تو بیٹا ہے ارمان تو نکال لوں۔ ہر چند منع کیا مگر کچھ اثر نہ ہوا غرض خوب شیخ چلی کا سا گھر بنایا کہ اگر خرچ ہوجاویگا تو کیا ہوا جہیز میں اتنا آویگا نیوتہ میں اتنا، اتنا فلانے کا دوں گی اور اتنا فلانے کا، پھر اتنا بچ جاویگا۔ غرض خوب جمع کر کے رکھا۔ چور بھی تاک لگا رہے تھے بس سب کا سب ایک ہی رات میں اُٹھا کر لے گئے۔ جب یہ حالت ہے مال کی اس پر فخر کرنا حماقت ہے جو چیزیں فخر کی ہیں بھی مثلاً علم وغیرہ اُس پر بھی فخر نہ کرنا چاہیئے۔

فخر و مباہات سے بچنے کا طریقہ

اونٹ جب تک پہاڑ کے نیچے کو نہیں نکلتا اپنے آپ کو خدا جانے کیا سمجھتا ہے کہ مجھ سے زیادہ کوئی اونچا نہیں بس میں ہی ہوں جو کچھ ہوں اسی طرح لوگوں نے دنیا میں اپنے سے بڑوں کو نہیں دیکھا اس لئے تکبر کرتے ہیں اپنے سے بڑوں کو دیکھیں تو حقیقت معلوم ہوجائے جب اپنے سے بڑے بڑے بھی دنیا میں موجود ہیں تو پھر فخر کی کہاں گنجائش، ہاں اپنے سے بڑا کوئی نہ ہوتا تو کچھ گنجائش بھی تھی فخر کی۔

بوستان میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک گاؤں کا چودھری تھا جس کی عزت وتوقیر [1] گاؤں میں بہت زیادہ تھی وہ اتفاق سے ایک جگہ پہنچا جہاں شاہی لشکر پڑا تھا۔ ہاتھی گھوڑے حشم خدم نقیب چوب دار [2] ہزاروں کی تعداد میں سب ہی کچھ تھا چودھری یہ حال دیکھ کر کانپنے لگا اس کا لڑکا بھی اس کے ساتھ تھا اس نے کہا ابا جان آپ بھی تو چودھری ہیں اور ایسے بڑے ہیں اور ایسے ہیں آپ کی یہ حالت کیوں ہے آپ کے پاس بھی تو حشم خدم ہے [3] اس نے کہا بیٹا میں چودھری اُسی

(۱) عزت وقار (۲) نوکر چاکر دربان چوکیدار وغیرہ (۳) نوکر چاکر۔

وقت تک ہوں جب تک یہاں قدم نہیں رکھا میں تو گاؤں تک چودھری ہوں۔ یہاں میری کچھ بھی ہستی نہیں۔ اسی طرح گولر کا کیڑا جب تک گولر کے اندر ہے یوں سمجھتا ہے کہ میں بڑی سلطنت کا مالک ہوں مجھ سے زیادہ کون ہوگا۔ مگر جب گولر کا پیٹ پھوٹا تو اپنی حقیقت کھلی، اسی کو کہتے ہیں ۔

چو آں کرمی در سنگے نہان ست — زمین و آسماں وے ہمان ست (۱)

تکبر کا شافی علاج خدا کی کبریائی کا استحضار

شیخ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

یکے قطرہ ازا بر نیساں چکید — خجل شد چو دریائے پہنا بدید

یعنی پانی کا ایک قطرہ اوپر سے ابر میں سے چلا اور اپنے کو سمجھ رہا تھا انــا کــذا وانــا کــذا کہ میں ایسا ہوں اور ایسا ہوں۔ حسین وجمیل ہوں منور ہوں یعنی چمک دمک رکھتا ہوں مطہر ہوں (۲) غرض اپنی صفات کمال پر ناز کر رہا تھا جب نیچے آیا اور دریا کو دیکھا تو سب بڑائی نکل گئی فرماتے ہیں ۔

ع خجل شد جو دریائے پہنا بدید

آگے خجلت میں وہی قطرہ کہتا:

کہ جائیکہ دریاست من کیستم — گراوہست حقا کہ من نیستم (۳)

اسی طرح اگر خدا تعالیٰ کی عظمت اور بزرگی کی طرف نظر کی جائے تو ہستی اور نیستی کا تفاوت معلوم ہو جاوے اسی کو آگے کہتے ہیں ۔

(۱) اس کیڑے کی مانند ہے جو پتھر میں چھپا ہو کہ اس کی زمین و آسمان تو وہ پتھر ہی ہے (۲) پاک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو (۳) جس جگہ دریا جیسا کثیر پانی موجود ہے میری کیا ہستی ہے جب وہ ہے تو حقیقت یہ ہے کہ میں تو گویا ہوں ہی نہیں۔

ہمہ ہرچہ مستند ازاں کمترند — کہ باہستیش نام ہستی برند (۱)

عارف نظامی فرماتے ہیں ۔

ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی — پناہ بلندی وپستی توئی

بوستان میں ایک اور حکایت لکھی ہے جگنو سے کسی نے پوچھا کہ یارتم رات میں تو نظر آتے ہو دن میں کہاں رہتے ہو تو اس نے جواب دیا ۔

کہ من روز شب جو بصحرا نیم — ولے پیش خورشید پیدا نیم

کہ میں دن اور رات صحرا ہی میں رہتا ہوں۔ میں کہیں چلا نہیں جاتا مگر آفتاب کے سامنے مٹ جاتا ہوں خدا جانتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کی عظمت منکشف ہو جائے یعنی اپنی استعداد کے موافق، ورنہ ہم کیا سمجھیں اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت کو تو نہ اپنے علم پر نظر رہے نہ اور کسی چیز پر نہ کوئی اپنے کو میر صاحب کہے نہ ڈپٹی صاحب کہے۔ یہ حالت ہو جاوے کہ سب کچھ بھول جاوے بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے وجود کو وجود حقیقی بنا رکھا ہے اور خدا کا ہوائی (۲) اسی لئے ہمیں بڑائی سوجھتی ہے پس اصل مرض اپنے کو بڑا سمجھنا ہے اور اس کی اصل ہے خدا کو بڑا نہ سمجھنا ساری خرابی اسی کی ہے پس اسکا علاج کرو۔

ایک بُرائی دکھاوے کا اہتمام

نیز اس سے ایک اور مرض بھی پیدا ہوتا ہے یعنی زیب و زینت کا خیال چنانچہ زینت میں عورتوں کا مذاق یہ ہے کہ خوب زینت کرنی چاہیئے۔ کوئی مہمان آجائے

(۱) جو لوگ اگرچہ درجہ وجود میں ہوں لیکن میں اس سے بہت ہی کم درجہ میں ہوں کہ اپنی موجودگی کے اظہار کے لئے بھی تو کچھ نہ کچھ وجود چاہیئے اور اس کے وجود کے سامنے میرا تو گویا وجود ہے ہی نہیں (۲) فرضی۔

تو بڑے بڑے سامان ہوتے ہیں۔ خاصدان [1] جومہمان کے سامنے ایک دفعہ گیا تھا دوسری دفعہ پان اسمیں نہیں جانا چاہیئے۔ بلکہ دوسرا خاصدان ہونا چاہیئے۔ صرف یہ بات ظاہر کرنے کے لئے کہ ہمارے یہاں خاصدان اور بھی ہے۔ پھر ایک دفعہ تانبے کا ہوتو دوسری بارکوٹ کا ہو [2]۔ اسی طرح اور چیزوں میں اندازہ کر لیجئے۔ اور روزانہ تو گھر کوڑے سے بھرا پڑا رہتا ہے مہمان آیا تو صاف کیا غرض ہر بات میں دکھلاوا ہے۔ انکا تو مذہب یہ ہے کہ کوئی یوں نہ کہے کہ ایسے ہیں اور ویسے ہیں اور کوئی سے ان کی مراد مخلوق ہی ہوتی ہے۔ کاش کہ اللہ تعالیٰ کو بھی اس عموم میں داخل کیا جاتا کہ ان کے ناخوش ہونے کا بھی خیال ہوتا۔

دنیا کی حقیقت

بعض لوگ کہتے ہیں کہ دین سے دنیا بھاری ہے اس لئے اس کی زیادہ رعایت کی جاتی ہے سو بالکل غلط، دنیا کیا بھاری ہوتی دنیا ہے کیا چیز لاحول ولا قوۃ الا باللہ کھانا پینا ہگنا موتنا بس اتنی ہی تو حقیقت ہے دنیا کی یہ امیر کو بھی حاصل ہے اور غریب کو بھی۔ ہاں اگر پانچ روپیہ والے کی خوراک پانچ چھٹانک ہو اور پانچ ہزار والے کی پانچ ہزار چھٹانک ہوتی تو کہہ سکتے تھے کہ امیر ہونے میں بڑا فائدہ ہے مگر ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوتا ہاں اتنا فرق بیشک ہے کہ یہ پانچ چھٹانک سوکھی کھاتا ہے اور وہ تر، بلکہ امیر صاحب تو پانچ چھٹانک کھا بھی نہیں سکتے وہ تو پانچ تولہ ہی کھائیں گے۔ گھی کی کثرت سے انکی خوراک ہی نہیں رہتی۔

گھی کا زیادہ استعمال اچھا نہیں

جب میں نواب صاحب ڈھاکہ کے یہاں گیا تھا تو وہ میری وجہ سے گھی

(۱) جس برتن میں رکھ کر پان پیش کئے جاتے ہیں (۲) قلعی کیا ہوا برتن ہو۔

کم ڈلواتے تھے۔ کیونکہ ہم لوگوں کے مذاق میں زیادہ گھی ڈالنے سے کھانے کا مزہ ہی باقی نہیں رہتا۔ مگر وہاں نواب صاحب کے چچا سے معلوم ہوا کہ ہمارے یہاں تو سیر بھر گوشت میں سیر بھر گھی پڑا کرتا ہے۔ میں نے کہا اتنا گھی تو ہمارے یہاں بیلوں کو دیا جاتا ہے۔ میں نے یہ بھی کہا کہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ گھی کوئی زیادہ مرغوب [1] چیز نہیں مجھ سے پوچھا گیا قرآن مجید سے کیسے معلوم ہوا میں نے جواب دیا کہ قرآن مجید نے جنت میں چار نہریں بتلائی ہیں۔ ایک پانی کی، ایک دودھ کی، ایک شراب طہور کی اور ایک شہد کی۔ اگر گھی بھی مرغوب ہوتا تو ایک نہر اس کی بھی مذکور ہوتی۔

امیر اور غریب کے کھانے میں فرق

پھر یہ کہ امیر صاحب کو ایک بجے کھانا نصیب ہوتا ہے۔ اور غریب تو جہاں صبح ہوئی اور بی بی سے پوچھتے ہیں کچھ ہے بس باسی واسی جو کچھ ہوا کھا پی کر کھیت یا کچہری یا دوسرے کام کو چلے گئے اور امیر صاحب کو چھ گھنٹہ کے بعد کھانا نصیب ہوگا کیونکہ مکلّف کھانے [2] تو جلدی تیار نہیں ہو سکتے تو صاحب ہم باز آئے ایسی امیری سے۔

عورتوں میں زیور کا شوق

اسی طرح جو عورتیں دن رات زیور لادنے کی فکر میں رہتی ہیں [3] وہ پوری قید میں ہیں اور اگر زیور وغیرہ کی زکوۃ نہ دی تو یہاں بھی قید اور وہاں آخرت میں بھی قید [4] مگر عورتیں اس بوجھ کی ایسی عادی ہیں کہ لادے [5] ہی رہتی ہیں۔ ایک بنیئے کی حکایت ہے کہ اس نے اپنی بی بی سے کہا کہ ذرا سل کا بٹہ اٹھا دیجیو [6]

(۱) پسندیدہ (۲) پُرتکلف کھانے (۳) زیادہ زیور پہننے کی فکر میں رہتی ہیں (۴) زکوۃ نہ دینے کی وجہ سے عذاب میں ہوگی (۵) ہر وقت زیور پہنے رہتی ہیں (۶) مصالحہ وغیرہ پیسنے کا پتھر۔

وہ بولی کہ میں اتنا بوجھ کس طرح اُٹھاؤں وہ بیچارہ خاموش ہوگیا پھر اس نے یہ کیا کہ بی بی سے چھپا کر سِل کو سنار کے پاس لے گیا اور کہا کہ اس پر سونا چڑھا دے اور زنجیر ڈالدے اس نے سونا چڑھا دیا اور زنجیر بھی ڈالدی اب اس کو گھر لائے بی بی سے کہا کہ میں نے تمہارے واسطے یہ ایک قسم کا زیور بنوایا ہے۔ یہ سنتے ہی اُس نے وہ سِل اپنے گلے میں ڈال لی اور لگی اِدھر اُدھر چلنے پھرنے ذرا بھی بوجھ نہ معلوم ہوا اگرچہ گردن جھک گئی لالہ جی نے کہا کہ تجھ سے تو سِل کا بٹہ بھی نہیں اُٹھتا تھا اب سِل کیسے اُٹھالی۔

بعض دفعہ یہ حالت ہوتی ہے کہ کان زیور کو لادے لادے سوج جاتے ہیں مگر ان کو شوق میں کچھ نہیں سوجھتا۔ انکو تو اس کے لادنے پھاندنے سے یہ مقصود ہے کہ ذرا بڑی نظر آویں اور کچھ بھی نہیں غرض اس امیری کا یہ انجام ہے کہ یہاں بھی اس سے راحت نہیں ملتی۔ اور بڑی عورتوں کا کیا گلہ کیا جاوے اس بات میں بچیوں کی بھی عجیب حالت ہے۔ ہمارے یہاں قصبہ گنگوہ میں عورتوں کی ناک اکثر نہیں بندھواتے کیونکہ علماء کا اس میں اختلاف ہے باقی ہمارے یہاں سب بندھواتے ہیں۔ ہمارے یہاں ایک شخص کی لڑکی تھی جس سے ان کو بہت محبت تھی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ اگر اس کی ناک نہ بندھوائی جائے تو کچھ حرج تو نہیں میں نے کہا کچھ حرج نہیں بلکہ بہتر ہے۔ انہوں نے اس بچی سے جا کر میری طرف منسوب کر کے کہا کہ اب تیری ناک نہیں بندھے گی انہوں نے تو کہا تھا اس غرض سے کہ وہ خوش ہوگی کہ میں تکلیف سے بچی اچھا ہوا مگر لڑکی نے یہ بات سن کر بڑی لتاڑ ڈالی اور کہا کہ میرے ہی واسطے یہ فتویٰ رہ گیا ہے مولوی صاحب نے اپنے گھر والوں کے لئے یہ فتویٰ نہ بتلایا۔ غرض بچیوں کو بھی اس قدر شوق ہے زیور کا روتی جاتی ہیں اور کان ناک بندھواتی جاتی ہیں، کس قدر محبت ہے زیور سے۔

عورتوں کے عیوب

اسی واسطے حق تعالیٰ نے کفار کے رد میں عورتوں کے متعلق یہ ارشاد فرمایا

ہے: ﴿اَوَمَنْ يُنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ﴾ (۱) یعنی کفار جو ملائکہ کو نعوذ باللہ خدا کی بیٹیاں بتلاتے تھے اور کہتے تھے ((اَلْمَلَائِكَةُ بَنَاتُ اللهِ)) کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں خدا تعالیٰ انکا رد فرماتے ہیں کہ انکی عقل کہاں جاتی رہی خدا کی اولاد بھی کس کو بنایا جن میں یہ دو بڑی صفتیں ہیں ایک تو ان میں قوتِ بیانیہ نہیں ہوتی دوسرا ان میں قوت استدلال نہیں مرد کے ساتھ جب ان کی گفتگو ہوتی ہے وہ بیچارہ اس سے رنج ہی اُٹھاتا ہے وہ تو مناظر رشیدیہ کے قانون سے گفتگو کرتا ہے اور یہ اُلٹی سیدھی ہانکے چلی جاتی ہیں۔ بس زبان چلائے جائیں گی خواہ ایک بات بھی موقع کی نہ ہو۔ مرد بیچارہ ان کی زبان زوری دیکھ کر چپکا ہو جاتا ہے مگر یہ کبھی چپکی نہیں ہوتیں آخر یہ مناظرہ میں اُس پر غالب آجاتی ہیں۔ اگر محض بولنے اور بک بک کرنے ہی کا نام مناظرہ ہے تو گدھا بڑا مناظر ہے۔ سو ایک تو ان میں یہ نقص ہے۔

دوسری بات ان میں یہ ہے کہ ﴿اَوَمَنْ يُنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ﴾ ان کی پرورش زیور اور زینت میں ہوتی ہے ان کے اندر ایک خاص شان حُبِ زینت کی ہے جس میں کہ ان کی ساری عقل صرف ہو جاتی ہے آگے علوم و کمالات تک رسائی نہیں ہوتی تو جس میں یہ دو بڑی صفتیں ہوں ان کو خدا کی اولاد بنانا کتنی بڑی حماقت ہے۔

اشکال کا جواب

اگر کوئی کہے کہ یہ امور تو عورتوں میں فطری ہیں پھر فطری امر پر کیوں ملامت کی گئی وہ تو اختیار سے باہر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مقصود فطری پر ملامت نہیں بلکہ اعتدال کی تعلیم مقصود ہے کہ عورتوں کو زینت میں انہماک نہ ہونا چاہئے (۲) باقی اعتدال (۳) کے ساتھ زینت ضروری ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ مرد بی بی کو ترک زینت پر مار سکتا ہے مگر یہ نہ ہونا چاہئے کہ رات دن

(۱) سورۂ دخان: ۱۸ (۲) سجاوٹ بناوٹ میں زیادہ کھپنا نہیں چاہیے (۳) میانہ روی کے ساتھ تو سجاوٹ ضروری ہے۔

Scanned by CamScanner

اسی فکر میں رہیں۔ مگر انکا مذاق یہ ہوگیا ہے کہ رات دن اسی فکر میں پڑی رہتی ہیں۔

غرباء کا امتیاز

اور غنیمت یہ ہے کہ غریب آدمی اس قسم کے بہت سے بکھیڑوں سے بچے ہوئے ہیں اور ان کی مستورات کھانا بھی پکاتی ہیں اور دیگر مشاغل خانہ داری میں بھی لگی رہتی ہیں اس لئے ان کو زیب وزینت کے لئے فرصت کہاں، بخلاف امراء کے کہ ان کی مستورات کو کام تو کچھ ہوتا نہیں اس لئے دن رات ان کو یہی مشغلہ ہوتا ہے نیز غریبوں میں ایک اور امتیاز بھی ہے وہ یہ کہ دنیا جس کا نام ہے وہ بھی غریبوں ہی کو حاصل ہے یعنی راحت کیونکہ دن کو کام کرتے ہیں اور کام بھی وہ جس کی ضرورت ہے اور رات کو بے فکر پاؤں پھیلا کر سوتے ہیں وقت پر کھاتے ہیں محنت و مشقت سے ہضم بھی خوب ہوتا ہے غذا بدن کو لگتی ہے اکثر غریبوں کو وہ دولت میسر ہے جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ((مَنْ اَصْبَحَ آمِنًا فِیْ سِرْبِهٖ مُعَافیٰ فِیْ بَدَنِهٖ وَ عِنْدَهٗ قُوْتُ يَوْمِهٖ فَكَاَنَّمَا حِيْزَتْ لَهُ الدُّنْيَا بِحَذَافِيْرِهَا)) یعنی جو شخص صبح کو اس حال میں اُٹھا کہ اُسے کسی شخص کا خوف نہ ہو مثلاً مقدمہ وغیرہ کا کسی دشمن کا ((مُعَافِیٌ فِیْ بَدَنِهٖ)) بدن میں مرض اور دُکھن نہ ہو اور اس کے پاس ایک دن کا کھانا ہو تو گویا ساری دنیا اس کے لئے اکٹھی ہوگئی۔ اسی کا گویا ترجمہ ہے۔

چون ترا نانے وخرقا نے بود   بربن موئے تو سلطانے بود [1]

دنیا و آخرت کی مثال

اور ذرا سوچا جائے کہ اگر کسی کو ساری دنیا مل بھی جاوے تو کیا ایک روز میں سب کھا پی کر خرچ کرلے گا ہرگز نہیں خرچ تو مقدار ہی کے موافق ہوگا سو اتنی دنیا غریب کے پاس بھی ہے اور اگر کسی غریب کے پاس دنیا اس سے بھی کم ہو مگر

(۱) جب تجھے کھانے کو روٹی میسر ہے اور پہننے کے لئے کپڑا تو تیرا بال بال بادشاہت کا مزہ لیتا ہے۔

آخرت کا سامان پورا ہو تو سب کچھ ہے اور اگر کسی امیر کے پاس دنیا میں سب کچھ ہو اور آخرت کے لئے کچھ نہ ہو تو کچھ بھی نہیں۔ ایک مثال سے یہ بات خوب سمجھ میں آئے گی۔ مثلاً ایک شخص ریل میں دہلی جانے کے قصد سے سوار ہے راستے میں کسی اسٹیشن پر اترا وہاں دیکھا کہ قسم قسم کی چیزیں بک رہی ہیں وہ بندۂ خدا خوب دل کھول کر چیزیں خریدنے لگا اور ان کے کھانے میں ایسا مشغول ہوا کہ ریل چل دی اور وہ وہیں رہ گیا مقصود سے جاتا رہا تو ایسے مزہ اڑانے کو مزہ نہیں کہہ سکتے۔ عاقل شخص یہی کہے گا کہ جب مقصود سے رہ گیا تو ایسے مزہ پر خاک اور ایک وہ شخص جس نے یہ مزے نہیں اُڑائے اور دہلی پہنچ گیا۔ حقیقت میں پہلے شخص نے سراسر اپنا نقصان کیا اور دوسرے شخص کا سوائے اس کے کچھ بھی نقصان ہوا کہ تھوڑی دیر کے لئے حظوظ سے محروم رہا[1] مگر منزل مقصود تک پہنچ گیا جہاں اطمینان سے ہر قسم کے حظوظ حاصل کرسکتا ہے۔ یہی حال دنیا اور آخرت کا ہے ایک دن کو جو پچاس برس سے نسبت ہے دنیا کو آخرت سے وہ نسبت بھی نہیں۔ وہاں ابدالآباد ہے، اور وہاں ہر قسم کی راحت کا وعدہ بھی ہے بشرط ایمان۔ البتہ قدر کا مقابلہ تو کوئی کر ہی نہیں سکتا مگر جو مومن ہے اسے ضرور توقع ہے، پھر خدا تعالیٰ کسی کا ایمان تھوڑا ہی چھنتے ہیں اور قدر کے وجہ سے بھی جو شخص ایمان سے محروم رہے گا تو وہ بھی اپنے ارادہ سے محروم ہے۔ یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ زبردستی اس کے قلب سے نکال لیں۔ اور جب مومن کو راحت آخرت کی توقع ہے۔ پھر دنیا سے دل لگانے کی کوئی وجہ نہیں اور آخرت سے غفلت کسی طرح جائز نہیں کیونکہ دنیا میں جب کسی چیز کی توقع ہوتی ہے تو اس کی تحصیل کے لئے آرام کو چھوڑ دیتے ہیں مثلاً کسی کو سو روپیہ کی ملازمت کی توقع ہوتی ہے اس کے لئے کیسی کیسی مشقتیں اٹھاتے ہیں۔ سکولوں میں پڑھتے ہیں سفر کرتے

(۱) تھوڑی دیر کے لئے لذتوں سے محروم رہا۔

ہیں ہر قسم کی تکالیف اٹھاتے ہیں تو جس چیز کا یقین دلایا گیا ہے یقین کے بعد اس کے لئے آرام کو کیوں نہ چھوڑنا چاہیئے۔ خصوصاً جب دونوں میں ایک خاص تفاوت بھی ہے وہ یہ کہ سامان دنیا تو ایسی چیز ہے کہ جس قدر بڑھتا جاتا ہے اسی قدر غموم کا ہجوم ہوجاتا ہے اور اس کی حد پر بس نہیں ہوتی۔ شیخ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

آں شنید ستی کہ در صحرائے غور ... بارسالارے بیفتا واز ستور
گفت چشم تنگ دنیا داررا ... یا قناعت پر کند یا خاک گور (۱)

ہوس کی کوئی حد ہی نہیں البتہ ان غموں کو دور کرنے والی اگر کوئی چیز ہے تو وہ تعلق مع اللہ ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر خدا سے تعلق ہوجاوے تو کبھی غم پاس نہ آوے، یہ ہے زندگی اور یہ ہے حیات طیبہ۔ بخلاف دنیا کے کہ اس کی لذت خیالی لذت ہے۔

دنیا سے بے رغبتی پیدا کرنے کا مراقبہ

اس لئے میں سب کو عموماً اور عورتوں کو خصوصاً خطاب کرتا ہوں کہ دنیا کی فنا اور آخرت کی بقا کا مراقبہ کیا کریں۔ زیادہ نہیں تو دس ہی منٹ کے لئے روزانہ کرلیا کریں۔ اور وقت بھی وہ لیں جو محض بیکار ہو یعنی جس وقت سونے کو لیٹیں اس وقت دس منٹ کے لئے سوچ لیا کریں کہ دنیا ایک نہ ایک دن ہم سے چھوٹ جائے گی سارا سامان پڑا رہ جاوے گا۔ پھر آخرت کو پیش نظر کیا کریں کہ خدا تعالیٰ کے سامنے جانا ہوگا۔ اعمال پیش ہوں گے اعمال ٹھیک نہ ہوئے تو دوزخ میں جانے کا گمان غالب ہے اس واسطے ہمیں اچھے اعمال کرنے چاہئیں تا کہ دوزخ کے عذاب سے بچیں اور جنت ملے جس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سب نعمتیں ہوں گی اور وہ دنیا کی نعمتوں کیطرح فنا نہ ہوں گی۔ خدا تعالیٰ کا دیدار بھی وہاں ہوگا جو سب نعمتوں سے بڑی نعمت ہوگی۔ جس میں یہ حالت ہوگی۔

ہر چند پیرو خستہ وبس ناتواں شدم ... ہر گہ نظر بروے تو کردم جواں شدم (۲)

(۱) میں نے سنا ہے کہ افغانستان کے ایک جنگل میں ایک بوڑھا سردار بغیر فوج وگھوڑوں کے سرگرداں پھر رہا تھا میں نے کہا کہ دنیا دار کی تنگ نظر کو یا قناعت بھرتی یا قبر کی مٹی (۲) ہر چند کہ میرا بُرا حال ہے کمزور و ناتواں ہو چکا ہوں جیسے ہی تیرے چہرے پر نظر پڑتی ہے جوان ہوجاتا ہوں۔

اور ظاہر ہے کہ ایسی دائمی نعمت کو چھوڑ کر دنیا کی فانی چیزوں میں منہمک رہنا سراسر بے عقلی ہے۔ حرص دنیا کے متعلق مجھے ایک قطعہ یاد آیا اسی کا مراقبہ کرلیا کریں اور بھی کچھ نہیں تو یہی سہی کیونکہ عورتوں کو گیت کا بہت شوق ہوتا ہے تو وہ مراقبہ کے لئے اسی کو پڑھ لیا کریں یہ تو آسان مراقبہ ہے۔

قطعہ

کل ہوس اس طرح ترغیب دیتی تھی مجھے
خوب ملک روس اور کیا سرزمین طوس ہے
گر میسر ہو تو کیا عشرت سے کیجئے زندگی
اس طرف آواز طبل اُدھر صدائے کوس ہے
صبح سے تا شام چلتا ہوے گلگوں کا دور
شب ہوئی تو ہردیوں سے کنار و بوس ہے
سنتے ہی عبرت یہ بولی ایک تماشا میں تجھے
چل دکھاؤں تو جو قید آز کا محبوس ہے
لے گئی یکبار گور غریباں کی طرف
جس جگہ جان تمنا سو طرح مایوس ہے
مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے
یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے
پوچھ تو ان سے کہ جاہ و حشمت دنیا سے آج
کچھ بھی ان کے پاس غیر از حسرت و افسوس ہے

حقیقت یہ ہے کہ انسان مال و جاہ پر کیا کرے جبکہ اس سے زیادہ مال و عزت والے آج زمین کے اندر ایسے بے کس و بے بس پڑے ہیں کہ نہ مال ان کے ساتھ گیا نہ عزت کچھ کام آئی۔ یہی حال ہر شخص کو پیش آنے واالا ہے البتہ اگر آخرت کا سامان ساتھ ہے تو یہ وہاں ضرور آرام دے گا۔ پس یہ مراقبہ ہر شخص کے لئے نہایت

ضروری ہے اس مراقبہ سے ان شاء اللہ پورا علاج ہو جاوے گا حُبِ مال اور حُبِ جاہ کا۔

یہی دو مرض بڑے مہلک مرض ہیں جو اصول امراض ہیں [1] ان ہی سے تمام خرابیاں پیدا ہوتی ہیں تو ایک وقت معین کر کے یہ سوچا کرو کہ دنیا ہیچ در ہیچ ہے اس لئے دنیا ہم سے چلی گئی تو کیا اور ہم دنیا سے چلے گئے تو کیا۔

عورتوں کی ایک اور بُری عادت

عورتوں کی ایک حالت یہ بھی ہے کہ شادیوں کے موقع پر اتنا خرچ کرتی ہیں کہ سارا گھر خالی کرنے کو تیار ہو جاتی ہیں اور مقصود وہی نام ہوتا ہے مگر اکثر تو نام بھی نہیں ہوتا کیونکہ بدنام کرنے کو بہت لوگ موجود ہو جاتے ہیں اور اگر ہو بھی گیا تو کیا ملا۔

ایک صاحب نے دیوبند میں بیٹے کی شادی کی اور بہت ہی ضرورت سے زیادہ خرچ کیا ایک بزرگ بھی وہاں تھے انہوں نے ان سے کہا کہ آپ نے خوب ہی خرچ کیا اور بڑے حوصلہ سے کام کیا اس بات سے تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد ان بزرگ نے فرمایا کہ مگر افسوس یہ ہے کہ آپ نے خرچ کر کے کیا چیز خریدی؟ نام! کہ اگر اسکو بازار میں لے جاؤ تو اس سے کیا ملے گا۔ [2] ایک پیسہ بھی نہیں۔ شیخ صاحب یہ تو آپ سے حماقت ہوگئی باقی اور سب آپ نے اچھا کیا۔ خوب سمجھ لیجئے کہ اگر آپ برباد ہوئے تو کیا کوئی عزیز وقریب آپ کا ساتھ دے گا ہرگز نہیں۔ مصیبت میں کوئی پاس بھی کھڑا نہیں ہوتا۔ اپنے پرائے سب آسودگی کے ساتھ ہیں صاحبو! یہ ساری خرابیاں حب مال اور حب جاہ کی ہیں۔

حُبِ مال اور حُبِ جاہ کی مذمت

یہی بات اس آیت میں بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ﴿اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِیًّا﴾ [3] یعنی کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ بتلاؤ ہم دونوں فرقوں میں سے کس کا گھر اچھا اور کس کی مجلس اچھی ہے۔ آگے ان کا

(۱) تمام امراض کی اصل اور جڑ ہیں (۲) کوئی اس کو ایک پیسے میں بھی نہیں خریدے گا (۳) سورۂ مریم: ۷۳۔

جواب ہے: ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِئْيًا﴾ [1] یعنی ہم نے تم سے پہلے لوگ ہلاک کر دیئے جو تم سے اچھے سامان والے اور اچھے منظر والے تھے۔ جیسے فرعون، ہامان، شداد، قارون وغیرہ پھر ہلاک بھی ایسے جن کا نام ونشان تک بھی مٹ گیا بلکہ مرنے کے بعد اکثر فقراء کا تو نام بھی باقی رہتا ہے کہ ان کی جوتیاں تک آج سر پر رکھی جاتی ہیں بخلاف بادشاہوں کے کہ ان کی تو کھوپڑیاں بھی ماری ماری پھرتی ہیں ایک ہندو کلکٹر ہمارے ضلع میں تھا بیمار ہو کر نینی تال گیا وہاں مرگیا اس کی میم لاش کو نینی تال سے لائی تھی اس کی لاش کو کہار بہنگی میں لئے ہوئے میم کے پیچھے پیچھے آرہا تھا ایک شخص نے دیکھا کہ اس کا سر کہیں لٹک گیا اور پتھر پر لگتا ہوا چلا آرہا تھا۔

بزرگوں کا احترام

غرض ان کی تو کھوپڑی تک کا بھی احترام نہیں ہوتا بخلاف اہل اللہ کے کہ ان کی جوتیاں تک محترم ہیں ہمارے قصبہ کے قریب لوہاری ایک قصبہ ہے وہاں ہمارے دادا پیر حضرت میاں جی نور محمد صاحب قدس اللہ سرہٗ تشریف رکھتے تھے۔ ان کی جوتیاں اب تک محفوظ رکھی ہیں جن کو لوگ آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ میں نے بھی حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جوتیاں آنکھوں سے لگائیں تھیں اس سے بڑھ کر ایک اور واقعہ ہے وہ یہ کہ وہاں ایک صاحب گئے اور لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کوئی شخص میانجی صاحب کے شاگردوں میں زندہ ہے معلوم ہوا کہ ایک ہندو حلوائی زندہ ہے آپ اس کے پاس پہنچے اور اسکو بلایا اور پوچھا کہ تو نے میاں جی سے پڑھا ہے اس نے کہا ہاں پھر پوچھا کبھی تجھے مارا بھی ہے کہا ہاں۔ کہا کس جگہ مارا تھا کہنے لگا گدی پر تھپڑ مارا تھا کہا بھائی میں مسلمان ہوں اور تو ہندو ہے شاید تو مجھ سے پرہیز کرے لیکن اگر تو اجازت دے تو میں اس جگہ کو چوم لوں جہاں مارا ہے اس نے اجازت دیدی تو آپ نے اس جگہ کو بوسہ دیا یہ کشش کیوں تھی صرف اس لئے کہ وہ اللہ والے تھے اسی واسطے لوگ ان کی جوتیاں بھی چومتے ہیں اسی لئے تو عاشقانہ رنگ میں کہتے ہیں ؎

(۱) سورۂ مریم: ۷۴۔

عشق را نازم کہ یوسف را بباز از آورد   ہمچو صنعا زاہدے را او بہ زوار آورد

عزت حاصل کرنے کا طریقہ

ان سے اتنی محبت کیوں تھی اس لئے کہ وہ اللہ والے تھے اگر انسان عزت بھی چاہے تو اس کا طریقہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرے مگر اس میں یہ غرض نہ ہو کہ ہماری عزت ہوگی بلکہ پستی اختیار کرو اس طریق میں پستی ہی سے علو ہوتا ہے [1] اور جو علو چاہتے ہیں تو اول غلو ہوجاتا ہے پھر خلو ہوجاتا ہے۔

خلاصہ وعظ

خلاصہ یہ کہ دنیا کی محبت ساری خرابیوں کی جڑ ہے سارے امراض اسی سے پیدا ہوتے ہیں اور سارے امراض کا علاج دنیا کی فنا اور آخرت کی بقا کا پیش نظر رکھنا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ہر وقت یہ خیال رکھے کہ گناہ پر سزا ہوگی اور نیک کام پر جزا ملے گی اجمالاً اتنا کافی ہے۔ باقی تمام اعمال کے بیان کی اس وقت گنجائش نہیں نہ ضرورت ہے کیونکہ کتابوں میں سب تفصیل موجود ہے اور اب تو اردو میں بھی اچھی اچھی کتابیں ہوگئی ہیں جن کو کسی محقق سے معلوم کرلیں پھر وہ کتابیں دیکھا کریں یا سنا کریں اور ان کے موافق عمل کریں۔

بس اب ختم کرتا ہوں اور اس بیان کا نام ''خیر الاثاث للاناث'' رکھتا ہوں یعنی اچھی پونجی عورتوں کے لئے۔

خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمادیں۔ [2]

وصلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد و علی الہ و اصحابہ اجمعین و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

(۱) پستی اختیار کرنے سے ہی بلندی ملتی ہے (۲) اللہ تعالیٰ اس وعظ سے استفادہ کرنے والے تمام احباب کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

خلیل احمد تھانوی

۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ (۱۹۸۰) لاہور

[illegible]امہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ایما پر قاری سراج احمدؒ کی قائم کردہ دین کی وہ عظیم درس گاہ ہے جو ۱۹۴۸ء [illegible]ے مصروف خدمت ہے۔

اب یہاں الحمدللہ تجوید و قراءت کے ساتھ دورۂ حدیث تک وفاق المدارس العربیہ پا[illegible]ستان کے نصاب کے مطابق تعلیم ہورہی ہے۔ ادارہ کے نصاب تعلیم کو وفاق المدارس کے نصاب [illegible]یں اس طرح مدغم کیا گیا ہے کہ طالب علم ثانویہ عامہ کے پہلے سال میں تجوید کی روایت حفص مکمل کرلے۔ ثانویہ خاصہ کے سال دوم کے اختتام پر اس کی سبعہ قراءات مکمل ہوجائیں اور عالیہ کے دو (۲) سالوں میں عشرہ قراءات مکمل کرلے۔ اس کے بعد عالیہ (دورۂ حدیث) کا نصاب مکمل کرکے ایک طرف مکمل عالم بنے تو ساتھ ہی عشرہ کا بہترین قاری بھی ہو اور اس کو جامعہ کی اسنادِ قراءات کے ساتھ وفاق المدارس کی سندات بھی مل جائیں۔

طلباء کو نظام الاوقات کا پابند کیا گیا ہے جس میں ہر کام کے لئے وقت مقرر ہے۔ سونے، جاگنے، پڑھنے، کھانے، کھیلنے اور نماز کے اوقات متعین ہیں۔

طلباء کا داخلہ انٹرویو کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ششماہی اور سالانہ امتحانات تحریری لیے جاتے [illegible]۔ جبکہ سالانہ امتحان وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زیر انتظام ہوتا ہے۔ درس نظامی [illegible] سے دورۂ حدیث تک حفظ و ناظرہ و تجوید و قراءات وعشرہ، عصری علوم کی ایف اے تک تعلیم او[illegible] تصنیف نیز انتظامی امور کے لئے کل ایک سو تین (۱۰۵) افراد کا عملہ معروف خدمت ہے۔

[illegible]س وقت تقریباً ۱۳۷۲ طلباء حفظِ قرآن مجید، تجوید و قراءات اور مکمل درس نظامی بشمول دو[illegible] حدیث شریف مع عصری علوم کی تکمیل و تعلیم میں مصروف ہیں اور ہر سال سینکڑوں طلباء حافظ قاری اور عالم کی سندات حال کرتے ہیں۔

ان میں سے ۶۵۰ طلباء کے قیام و طعام، نقد وظائف، درسی کتب مہیا کرنے اور علاج معا[illegible]کی سہولت کی ذمہ داری دارالعلوم پر ہے۔ الحمدللہ درس نظامی کے سالِ اول سے اوپر تک تمام درجات کے طلباء حافظ قرآن ہیں۔

جامعہ کی طرف سے ہر ماہ ماہنامہ ''الامداد'' کے ذریعہ دینی معلومات پر مشتمل حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ایک وعظ یا علماء دیوبند کا کوئی ایک کتابچہ شائع کرکے تقسیم کیا جاتا ہے۔

ادارہ اشرف التحقیق میں حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ اور ان کے ہمراہ چار ماہر علماء احکام القرآن کی تدوین کا کام مکمل کرچکے ہیں جس کی چھ (۶) جلدیں شائع ہوچکی ہیں۔ [illegible]رت مفتی صاحبؒ کے وصال کے بعد سے علماء ''جمیل الفتاویٰ'' اور بعض دوسرے تحقیقی مسائل [illegible] تدوین و ترتیب میں مصروف ہیں۔